چوں غلامِ آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم
نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیثِ خواب گویم

شمسِ معنوی



یعنے

دیوانِ غزلیاتِ مولانا رومؒ (المعروف بہ دیوانِ شمسِ تبریزؒ)

پر

تاریخی تنقید اور ادبی تبصرہ

از

غلام دستگیر رشید ایم-اے (عثمانیہ)

استاذ فارسی نظام کالج حیدرآباد دکن

باہتمام مسعود علی ندوی

مطبوعہ معارف پریس شہر اعظم گڈھ

سنہ ۱۳۵۵ھ — سنہ ۱۹۳۷ء

فہرستِ مضامین

شمسِ معنوی

فہرست کتب

تاریخی مآخذ

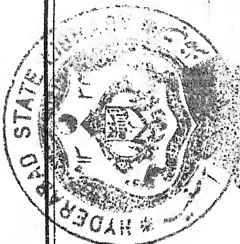
نمبر سلسلہ	نام کتاب	مصنف	کیفیت
۱	سوانحِ مولینا روم،	علامہ شبلی نعمانی	مطبوعہ شاہجہانی پریس دہلی،
۲	انسائیکلوپیڈیا آف اسلام		
۳	لٹریری ہسٹری آف پرشیا جلد Dq. (جلد دوم)	پروفیسر براؤن،	
۴	دیوانِ شمس تبریز	مرتبہ ڈاکٹر نکلسن،	مطبوعہ کیمبرج ۱۸۹۸ء
۵	آتشکدۂ آذر	حاجی لطف علی بیگ آذر،	مطبوعہ فتح الکریم بمبئی ۱۲۹۹ھ
۶	خزینۃ الاصفیا جلد دوم،	غلام سرور،	مطبع منشی نولکشور ۱۸۷۳ء
۷	بہارستان	عبد الرزاق خان،	(قلمی) ۱۱۹۴ھ
۸	سفینۃ الاولیاء،	شاہزادہ داراشکوہ،	(قلمی) ۱۰۴۹ھ
۹	مراۃ الاسرار،	عبد الرحمٰن چشتی صابری،	(قلمی) (۱۰۴۵ھ تصنیف)
۱۰	طرائق الحقائق	حاجی مرزا معصوم خان،	
۱۱	حاشیہ نفحات	عبد الغفور لاریؒ	(قلمی) ۹۰۹ھ تالیف)

نمبر سلسلہ	نام کتاب	مصنف	کیفیت
۱۲	نفحات الانس	مولینا عبدالرحمن جامیؒ،	(قلمی) ۸۸۳ھ
۱۳	تذکرہ دولت شاہ،	شاہزادہ دولت شاہ	۸۹۶ھ تصنیف مطبوعہ لیڈن،
۱۴	مدینۃ العلوم،	ازنیقی،	(قلمی)
۱۵	الجواہر المضیہ،	محی الدین ابن محمد عبدالقادر	مطبوعہ دائرۃ المعارف،
۱۶	حقائق الاولیاء	محمد قیام الدین،	
۱۷	ہفت اقلیم،	امین احمد رازی،	۱۰۲۸ھ تصنیف
۱۸	مرآۃ الخیال،	شیر خاں لودی،	(مطبوعہ) و ۱۱۰۲ھ تکمیل،
۱۹	مناقب العارفین،	شمس الدین افلاکی مرید چلپی عارف	مطبوعہ ستارہ پریس آگرہ،
	″	″	(قلمی) کتبخانۂ آصفیہ،
۲۰	رسالۂ سپہ سالار،	فریدون سپہ سالار مرید خاص مولینا رومؒ	مطبوعہ محمود المطابع کانپور ۱۳۱۹ھ
۲۱	مثنوی سلطان ولدؓ (ربابنامہ)	سلطان ولدؓ فرزند اکبر مولینا رومؒ	قلمی بقلم فرزند سلطان ولد ۷۶۱ھ کتابت
۲۲	فیہ ما فیہ	ملفوظات مولینا روم مرتبہ مولینا عبدالماجد دریابادی	مطبع معارف اعظم گڈھ
۲۳	(انتخاب) غزلیات مولنا روم وفرزند مولینا روم،		قلمی کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن

بیا کہ من ز خُمِ پیرِ رُوم آوردم

مئے سخن کہ جواں تر ز بادۂ عنبی ست

(اقبال)



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آغازِ سخن

خدانے انسان کو جب ہستی کا جامہ پہنایا، تو اس میں کچھ گل بوٹے بھی بنا دیئے جس کی بدولت گلشنِ حیات کی رنگینی "جنتِ نظر" بن گئی، حُسنِ ازل کی طرف سے جو کچھ انسان کو ملا، اس میں ایک دل بھی ہے حُسن کے ساتھ عشق بھی پیدا کیا گیا، اور دل "مقامِ عشق" ٹھہرا، عشق کو نطق عطا کرنا مقصود ہوا، تو دل کو زبانِ عشق یعنی ملکۂ شعر نصیب ہوا، عالمِ شعر کی ساری رونق جذبات کی بدولت ہے عشق ان کی جان ہے، روح روان ہے جس قدر قوی یہ جذبہ ہوتا ہے، کوئی اور جذبہ نہیں جس قدر لطیف یہ احساس ہوتا ہے، کوئی اور احساس نہیں، ع :-

عشق می گویم و جان می دہم از لذتِ وے

ایران اور عشقیہ شاعری، جس طرح مختلف افراد میں اس جذبہ کے اعتبار سے تفاوتِ باطنی ہوتا ہے، اسی طرح مختلف اقوام میں بھی بحیثیت مجموعی سوزِ عشق بہ اختلافِ مدارج پایا جاتا ہے، یوں تو ہر قوم کے گلستانِ ادب میں عشقیہ شاعری کی بہار ہے لیکن فارسی شاعری میں اس کا کچھ اور ہی حُسن و شباب ہے، ایک وجہ اسکی یہ ہے، کہ مبدءِ فیاض نے ایران کو بھی حُسن بخشا ہے، اور اہلِ ایران کو بھی، ان قدرتی فیوض کے علاوہ ایران میں تمدن

کے عروج نے احساسات کو بے حد لطیف اور اشتعال انگیز بنا دیا تھا، پھر یہ کیسے ممکن ہے، کہ حُسن تو جلوہ ریز ہو لیکن عشق بیتاب نہ ہو، ع

جلوۂ طور تو موجود ہو موسیٰ ہی نہ ہو،

ہر اہل دل اس مصرعہ کا مصداق بنا ہوا تھا، ع

اک آگ سی ہے، سینہ کے اندر لگی ہوئی،

نتیجہ یہ ہوا کہ عشقیہ شاعری کو اس سرزمین مین جسقدر فروغ ہوا کسی اور قوم کے ادب مین اسکی نظیر نہین، اگرچہ ہر بوالہوس نے "حُسن پرستی" اور شعر گوئی کو اپنا شعار بنا کر اسکی رسوائی کا بھی کافی سامان کیا لیکن بحمداللہ "آبروے دیدۂ اہل نظر" پر کوئی حرف نہ آسکا،

غزل اور عشق کی ترجمانی اصناف سخن مین سے غزل کو عشق و محبت کی ترجمانی کیلئے اختیار کیا گیا، اس لئے غزل کو معراج کمال اور قبولیت عام کا جو شرف حاصل ہوا، یہ بات کسی اور صنف سخن کو نصیب نہ ہوئی،

عشق حقیقی اور عشق مجازی کے جزئی و کلّی دقیق اور لطیف احساسات اور جذبات کی ترجمانی جس حسن و خوبی اور جس کثرت سے فارسی غزل مین ہوئی، اس کی نظیر دنیا کی کسی اور زبان مین مشکل سے ملتی ہے،

حسن اور عشق کے مدارج جس طرح حُسن اور عشق کے مظاہر مختلف ہوتے ہیں، اس کے مراتب اور مدارج بھی مختلف ہیں، جیسے مظاہر حُسن غیر محدود ہین، ویسے عشق کے مراتب بھی لا متناہی ہین، محبت ماں سے بھی ہو سکتی ہے، اور بہن سے بھی، لوگ وطن پر بھی فدا ہوتے ہیں، اور اہل وطن پر بھی، قلب انسانی کبھی حُسن فطرت کا شیدا ہوتا ہے اور کبھی در دِ ملت سے بے تاب، کوئی کسی سیمتن نازنین کے ایک ہی جلوہ سے اسقدر مسحور ہوتا ہے، کہ سب کچھ صرف اس کی ایک نگاہ لطف پر قربان کرنے کو طیار رہتا ہے، لیکن یہ سب حُسن و عشق کی فانی صورتین ہین،

جذبۂ عشق کو کمال اور اطمینان اسوقت نصیب ہوتا ہے، جب وہ حُسن مطلق کا شیدائی ہو جاتا ہے،

بیتابیٔ عشق کو تسکین کامل حُسنِ ازل ہی کے ربط سے ہوتی ہے،

عشق کا محرک حُسن ہے حُسن جس مرتبہ کا ہوگا کشش عشق بھی اسی درجہ کی ہوگی، عشقِ حقیقی میں ناز اور نیاز دونون بے نظیر ہین،۔۔ع

من بنازی عجب تو به نیازے عجبے،

عشقِ مجازی میں وہ دبدبہ وجلال وہ جذبۂ استقلال وبیخودی، وہ بےنفسی اور تسلیم کہاں جو عشقِ حقیقی کا خاصہ ہے، اس مسلکِ محبت کا نام تصوف ہے، ایمان کا کمال اسی محبت کی شدت اور قوت مین پوشیدہ ہے، الذین آمنوا اشد حُبًا لِلّٰہ، درس تصوف کی پہلی اور آخری کتاب "دیوانِ عشق" ہی ہے،

عشقیہ شاعری کی معراج عشقِ حقیقی پر منحصر ہے، جو تصوف سے وابستہ ہے،

مجازی اور حقیقی عشق میں وارداتِ قلبی، اور جذباتِ الفت مثلاً اشتیاقِ دید، لذتِ انتظار، تمنائے وصال، عشق اور اس کے لوازم تقریباً ملتے جلتے ہین، البتہ خاص فرق وامتیاز محبوب اور مقصود کا ہوتا ہے،

عاشقِ مجاز کا نشہ خمار آشنا ہوتا ہے لیکن طالبِ حق لذتِ شربِ ومدام سے فیضیاب ہوتا ہے،

فارسی میں عشقیہ شاعری اور غزل سرائی نے بھی اسی اعتبار سے مدارجِ تاثیر وکمال طے کئے،

ایک مدت تک ایران کی توجہ جنگی تحریکات اور جذبات کیلئے وقف رہی، اس دور میں شعراء کی طبع آزمائی بھی داستان سرائی اور قصیدہ گوئی کے میدان میں ہوتی رہی، اس کا اثر اسقدر نمایان تھا کہ تشبیب اور ابتدائی غزلیات میں بعض استعارات اور تشبیہات بھی رزمیہ اثر ہی کے تحت ایجاد ہوئین، مثلاً ابرو کو تیغ، نظر کو تیر اور مژگان کو خنجر سے تشبیہ دیجاتی تھی،

رزم سے بزم کی طرف طبیعت نے پلٹا کھایا، تو غزل سرائی رونقِ محفل بنی، ابتدائی منزلون میں غزل صرف عشقِ مجازی کی آئینہ دار بنی رہی لیکن جب دورِ تصوف آیا، تو عشق دنیا کا یہ غم محبوبِ حقیقی کے غمِ عشق سے مبدل ہوگیا، اس طرح غزل گوئی کے بادۂ خام کو صوفیاے کرام کے شیشۂ دل نے پختہ کردیا،

در دلِ ما غمِ دنیا غمِ معشوق بود   بادہ گر خام بود پختہ کند شیشۂ ما

یا بقول مولانائے رومؒ،

آتشِ عشقست کاندر نے فتاد   آتشِ عشقست کاندر مے فتاد

غزل کی بلندی اور ترقی کی تاریخ تصوف کی ترقی سے وابستہ ہے، محبوب اور مطلوب کی بلندی کے باعث عشق و محبت کو بھی بلندی حاصل ہوئی، یہی وجہ ہے کہ اربابِ صفا کے کلام میں جسقدر بلندیٔ جذبات پاکیزگیٔ خیال، صداقتِ احساس، اور اثرِ اخلاص پایا جاتا ہے، وہ کسی اور گروہ کے کلام میں نہیں،

صوفیانہ شاعری ان الفاظ اور خیالات سے پاک ہوتی ہے، جو پاکیزگی، نزاہت اور تہذیب کے خلاف ہوتے ہیں، مثلاً بوس و کنار وغیرہ، اگرچہ عشق حقیقی کے صدہا مضامین مجاز کے پیرایہ میں ادا کئے جاتے ہیں، لیکن صرف اس حد تک کہ بادہ و ساغر کے استعارہ میں مشاہدۂ حق کی گفتگو ہو سکے، لیکن اس پیرایۂ مجاز نے کبھی آلودگی کا داغ قبول نہیں کیا،

فارسی شاعری کی ممتاز خصوصیت، یہ بیان ہو چکا ہے کہ عشقیہ شاعری کا کمال عشق حقیقی پر موقوف ہے، اور تصوف کیساتھ مخصوص ہے، اور زبانوں میں صوفیانہ شاعری کم ہے، پانچویں صدی ایران میں صوفیانہ شاعری کے عروج کا زمانہ ہے، کیونکہ یہ تصوف کا عہدِ شباب ہے، اسلئے عشقیہ شاعری کے حسن و کمال میں دنیا کی کوئی زبان فارسی کا مقابلہ نہیں کر سکتی، جو معنوی حُسن و بلندی اسکی وجہ سے شعر فارسی کو حاصل ہے، اسکی نظیر شاید ہی دنیا کی کسی اور قوم یا زبان کی شاعری میں ہو، یہ وہ کمال ہے جس پر اہلِ زبان اور فارسی دان جسقدر ناز کریں بجا ہے، کس زبان کی شاعری حدیقۂ سنائیؒ کی شادابی، عطارؒ کی عطر بیزی، سعدیؒ کی مئے ناب، نظامیؒ کی رمز گوئی، رومیؒ کے نغمۂ نے، عراقیؒ کے عرفانی گیت، حافظؒ کی نغمہ سرائی، خسروؒ کے سحرِ حقیقت، جامیؒ کے جامِ جان بخش، گلشنِ راز کی بہار، اور اقبال کے رموزِ بیخودی کا جواب پیش کر سکتی ہے، ظاہر ہیں اور ظاہر پرست مغرب تو اس عالمِ لطیف کی نعمتوں اور اس خلد کی بہار سے تقریباً محروم

ہی ہے، لیکن حقیقت شناس اور باطن نواز مشرق بھی فارس کے اس میکدۂ حقیقت کی نظیر نہیں پیش کر سکتا
اگرچہ یہ ضروری نہیں کہ تصوف، ہر صوفی فرد یا صوفیانہ ذوق رکھنے والی قوم میں زبانِ شعر ہی اختیار کرے،
سب سے پہلے جن اہلِ دل بزرگوں نے کلام مجاز کو نغمۂ حقیقت سے بدلا، وہ حضرت ابوسعید ابوالخیرؒ اور
خواجہ عبداللہ انصاریؒ ہیں، مثالاً عشق حقیقی کے ان اولین ترجمان شعرا کے کلام میں اثر، جوش، اخلاص، شدتِ
عشق، اور حُسنِ بیان ملاحظہ ہو جس سے پتہ چلتا ہے، کہ صوفیانہ شاعری کا آغاز کس قدر بلند اور اس کا قبلۂ
مقصود کسقدر رفیع الشان تھا،

عشق آمد و شد چو جانم اندر رگ و پوست تا کرد مرا تہی و پر کرد ز دوست
اجزاے وجودم ہمگی دوست گرفت نامیست ز من بر من و باقی ہمہ اوست

(خواجہ انصاری)

راہِ تو بہر قدم کہ پویند خوش است وصلِ تو بہر سبب کہ جویند خوش است
روئے تو بہر دیدہ کہ بینند خوش است نامِ تو بہر زبان کہ گویند خوش است

(ابوالخیر)

ان کے بعد حکیم سنائیؒ نے حدیقہ نگاری فرمائی، انھوں نے اپنے کلام میں نہ صرف صوفیانہ جذبات
کا اظہار کیا، بلکہ مسائلِ تصوف کو بھی فلسفیانہ پیرایہ میں بیان کیا، حکیم سنائی کے بعد حضرت عطارؒ نے اپنی
عطر بیزی سے مشامِ جان کو معطر فرمایا، حضرت عطارؒ نے صوفیانہ شاعری کے دائرہ کو ایسی وسعت بخشی، کہ
مثنوی، رباعی، غزل سارے اصنافِ سخن پر بادۂ صافی کا نشہ چڑھ گیا، سب پر صبغۃ اللہ کی رنگینیاں اپنی
بہار دکھانے لگیں، تاتاری ہنگامہ نے پردۂ غفلت چاک کیا، عالمِ فانی کی بہار کے دو روزہ ہونے کا احساس
شدید اور عام ہوا تو فطرۃً حُسنِ باقی کی طرف اکثر اہلِ عبرت اور صاحبِ دل متوجہ ہو گئے، تصوف کی گرم
بازاری ہوئی، اکثر اربابِ صفا کو شعر گوئی کا ملکہ بھی فطرت سے ودیعت ہوا تھا، صوفی شعرا کی کثرت ہوئی

اوحدیؒ، سعدیؒ، عراقیؒ اور مولینا رومؒ نے صوفیانہ شاعری کے باغ کو رشکِ ارم بنا دیا،

صوفی شعرا میں مولانا روم کی اہمیت: بلاشبہ حکیم پاک ذات مرشد رومی کو ان عاشقانِ پاک طینت اور شاعرانِ بلند فطرت کی سرداری حاصل ہے، ان کی حقیقت طرازی نے تو زبانِ شعر کو سراپا الہامی بنا دیا،

انکی مثنوی کے متعلق اربابِ معرفت کا خیال یہ ہے، کہ ؎

مثنوی مولوی معنوی، ہست قرآن در زبانِ پہلوی،

اس کتابِ حق نما کی بنا پر انھیں، ع

نیست پیغمبر و لے دارد کتاب

کہا جاتا ہے،

حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب تصوف اور فارسی شاعری کی معنوی قدر و قیمت کی بلند بانگ نقیب ہے، ایک عالم اس کے سحر سے مسحور رہے، اور دنیا کی ساری اہم زبانیں اس کے معنوی فیض سے استفادہ کی کوشش کر رہی ہیں، شبلی کا یہ قول بالکل صحیح ہے، کہ اسکی شہرت اور مقبولیت کے آگے ایران کی ساری تصانیف دب گئی ہیں، جس کام کو سنائیؒ اور عطارؒ نے شروع کیا، مولانا نے مثنوی کے ذریعہ اسے پایۂ تکمیل کو پہنچایا،

نظم میں علاوہ مثنوی معنوی کے انکی غزلیات کا بھی ایک قابلِ قدر اور عظیم الشان مجموعہ ہے،

غزل کی جان گدازِ الفت، سوزِ دل، اور بیخودی کا اثر ہے، اگرچہ انوری، خاقانی، ظہیر فاریابی، کمال اسمٰعیل، مسعود سعد سلمان، اور عبد الواسع جبلی وغیرہم نے بھی غزلیں لکھیں، لیکن ان کے کلام کا نمایاں اور غالب عنصر صنائع لفظی، اور الفاظ کی مرصع کاری ہے، ان کی غزلیں اس سوزِ عشق سے خالی تھیں، جس نے اربابِ حال اور عشاقِ شیریں مقال کی غزلیات کو مئے دو آتشہ بنا دیا تھا،

صوفی غزل گو شعرا میں مولینا کی اہمیت تذکرہ نویس متفق ہیں کہ ابتدا میں جن لوگوں نے صنفِ غزل کو ترقی دی، اور اس کے جسمِ مردہ کو معنی اور اثر کی روح بخشی اور غزل کو غزل بنایا، وہ سعدیؒ، عراقیؒ

اور مولینا رومؒ ہیں، اگرچہ کلام کے صوری محاسن اور لطائف کے اعتبار سے مولینا کی غزلیات سعدیؒ اور عراقیؒ کی غزلیات کے ہم پایہ نہیں لیکن مختلف معنوی خصوصیات کے باعث ان کو ایک خاص حیثیت حاصل ہے، جو انھیں فارسی کے دیگر غزل گو صوفی شعرا سے ممتاز کرتی ہے،

مولینا کی غزلیات کی اہمیت | مولانا کی غزلیات مختلف وجوہ کے باعث مولانا کی تصانیف کا تفصیلی اور تحقیقی مطالعہ کرنیوالے کے لئے اہم اور توجہ کے قابل ہیں،

۱۔ یہ فارسی کے سب سے بڑے معنوی شاعر، صاحب مثنوی ہی کے کلام کا ایک بڑا جزو ہیں،

۲۔ غزلیات مثنوی سے پہلے لکھی گئی ہیں، یعنی یہ مولانا کے معنوی اور ادبی ارتقار کا پہلا زینہ ہیں،

۳۔ فارسی غزل کی ترقی کے سلسلہ میں ان کی خاص اہمیت ہے، کیونکہ مولانا غزل کے اولین دور کے شعرا میں ہیں،

۴۔ شاعری کی ایک نوع پیغام گوئی ہے جس کی مثال اردو میں اکبر اور اقبال کی شاعری ہے، فارسی شاعری میں مولانا کی غزلیات پیغام گوئی کا بہترین نمونہ ہیں،

۵۔ گرمیٔ عشق، بیتابیٔ الفت، اسرار خودی، اور رموز بقا کی جس زور اور جس قوت سے پردہ کشائی کیگئی ہے، اسکی مثال فارسی شاعری میں سوائے اقبال کے کسی اور کے کلام میں نہیں ملتی، اس خصوص میں ڈاکٹر اقبال بھی بادۂ رومی سے فیضیاب ہوئے ہیں، ؎

من کہ مستیہا ز صہبایش کنم، زندگانی از نفسہایش کنم،

۶۔ انکی غزل مسلسل نظم معلوم ہوتی ہے، جس میں عشق و محبت اور دیگر احساسات کی تصویر اس تسلسل کیساتھ کھینچی ہے، کہ پردۂ دل کا نقش آنکھوں کے آگے آجاتا ہے،

دیوان کی طرف عدم توجہ | مثنوی بجا طور پر ہمیشہ اہل ادب اور عارفین کی توجہ کا مرکز رہی ہے، لیکن دیوان سخن شناسوں کی نگاہ التفات سے محروم رہا، الا ماشاء اللہ شاید ہی کسی نے اسکی طرف توجہ کی، حوصلہ

ڈاکٹر نکلسن نے اپنی علمی مشغولیتوں کے ابتدائی دور میں چند غزلیات کا انتخاب ایک سرسری مقدمہ کیساتھ ۱۸۹۸ء میں کیمبرج یونیورسٹی سے شائع کیا تھا،

دیوان کے متعلق غلط فہمی، | اس عدم توجہ اور عدم تحقیق کا نتیجہ یہ ہوا کہ دیوان کے متعلق غلط خیالات پھیل گئے، اور وہ بالکلیہ حضرت شمس تبریزؒ سے منسوب ہوگیا، اور عموماً حضرت شمس ہی کے کلام کا مجموعہ سمجھا جانے لگا، یہ سچ ہے کہ محققین کے نزدیک یہ کوئی اختلافی مسئلہ نہیں لیکن بعض واقف حال اور اہل علم حضرات کے سوا تعلیم یافتہ لوگ بھی اسے حضرت شمس ہی کا دیوان خیال کرتے ہیں، اور جب ان کے سامنے حقیقتِ حال بے نقاب کیجاتی ہے، تو اس کو تعجب اور شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں،:-

اس لاعلمی اور غلط فہمی کے چند اسباب یہ ہیں:-

۱۔ مطبوعہ کلیات شمس تبریز کے نام سے شائع ہوگیا،

(ملاحظہ ہو کلیات شمس تبریز مطبوعہ لکھنو ۱۳۰۲ھ)

۲۔ کلیات کے علاوہ مطبع نولکشور نے دیوان کے نام سے منتخبہ غزلیات کے مختلف اڈیشن شائع کئے ہیں، وہ بھی دیوان شمس تبریز ہی کے نام سے موسوم کئے گئے،

(ملاحظہ ہو دیوانِ شمس تبریز لکھنو سنہ ۱۳۲۶ھ)

۳۔ اس سے پہلے دیوان کے جسقدر نسخے لکھنؤ اور کانپور سے طبع ہوئے ان پر دیوان شمس تبریز ہی لکھا ہوا ہے، چنانچہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد میں جسقدر مطبوعہ نسخے ہیں، انکا یہی حال ہے،

۴۔ غلط فہمی عام ہونے کے سبب سے بڑی وجہ انہی دواوین کی غلط نام سے اشاعت تھی، کیونکہ اکثر پڑھے لکھے حضرات کے ہاتھوں میں یہی مطبوعہ نسخے پہنچے،

حتیٰ کہ ڈاکٹر نکلسن نے جو انتخاب شائع کیا ہے، اس کا نام بھی دیوان شمس تبریز ہے، گو اصل راز سے وہ واقف ہیں، اور وہ اسکو مولانا ہی کا کلام سمجھتے ہیں لیکن اپنے اس خیال کو دلائل سے مستحکم

نہیں کیا ہے،

کلیات یا دیوان کے مطبوعہ نسخون کے دیباچون یا اختتامی تحریرون اور طباعت کے تاریخی قطعات میں بھی ظاہر کیا گیا ہے، کہ یہ دیوان حضرت شمسؒ کا کلام ہے، مثلاً:-

"دیوان کرامت نشان، مشرقستان مضامینِ توحید و عرفان، تجلی کدۂ لطائفِ ایقان، نورانگیز یعنی دیوان شمس تبریزیؒ از خزائنِ اسرار خاطر انیس خلوت سرائے قدس، قدوۃ العارفین، اسوۃ الواصلین، رفیق شریعت و طریقت، رمز شناس لطائفِ حقیقت و معرفت، غواص محیط وحدت، مشاہد وحدت در کثرت، ولی مادرزاد، حضرت ملک داد، ملقب بہ شیخ شمس الدین تبریزیؒ"

(خاتمۃ الطبع دیوان شمس تبریز ۱۳۲۶ھ لکھنو)

"مجموعہ کلامہائے حلاوت آگین، انگبین ریز، اعنی کلیات شمس تبریزؒ، از خیالِ خدا داد تجلی زائی آفتاب تابانِ آسمانِ عرفان و سلوک، معرفت نژاد ولی مادرزاد محمد بن ملک داد حضرت شمس الدین تبریزی قدس سرہٗ،

(کلیات شمس تبریز ۱۳۰۲ھ نولکشور)

نظمیست عجیب دل نشینی	ہر مصرعۂ اوست بس طرب خیز،
عاقل نوشت سال ہجری،	دلبر دیوان شمس تبریز،

(۱۳۲۶ھ دیوان شمس تبریز منشی نولکشور)

دیوان کے قلمی نسخون کی فہرستون میں بھی اس کو کہین کہین حضرت شمس تبریزؒ کی طرف نسبت دی گئی ہے، چنانچہ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن میں دیوان کا ایک قدیم قلمی نسخہ ہے، لیکن وہ نہایت ناقص ہے یعنی ہر آٹھ دس ورق کے بعد ایک ورق غائب ہے، نہ اوسکا سرورق ہے، نہ آخر میں کچھ عبارت ہے، البتہ فہرست میں دیوان شمس تبریزہی کے نام سے درج ہے، (ملاحظہ ہو فہرست کتب خانہ آصفیہ جلد اول صفحہ ۷۲۶)

مولینا حبیب الرحمن خان صاحب شروانی (نواب صدر یار جنگ بہادر) کے ہاں ایک قدیم نسخہ ہے لیکن افسوس ہے کہ وہ بھی نامکمل ہے، صاحب موصوف نے ازراہ علم دوستی یہ نسخہ روانہ فرماکر استفادہ کا موقع بخشا جس کے لئے ہم نواب صاحب موصوف کے ممنون ہیں، اس کا بھی یہی حال ہے کہ نہ پہلا ورق ہے، نہ آخری صفحہ، اور نہ اس میں کوئی تحریر ہے، جس سے دیوان کی اصل ملکیت کے مسئلہ کا حل ہوسکتا،

مولانا کے معتبر ترین اور قدیم تذکروں، رسالۂ سپہ سالار اور مناقب العارفین میں دیوان کے متعلق کوئی تصریح نہیں ہے، بدنصیبی سے شعراء کے بعض تذکروں میں بھی حضرت شمس کو شاعر لکھا گیا ہے، اور اُن کے کلام سے نمونہ کے طور پر اشعار درج کئے گئے ہیں، مثلاً تذکرۂ روز روشن (۱۲۹۷ھ مولفہ محمد مظفر حسین مطبوعہ بھوپال) میں ہے،

"از شستۂ کلام شمس تبریز این شعراست"،

در طوفِ حرم بودم دے منبچہ میگفت　　کاین خانہ بدین خوبی آتشکدہ بایستے

اس قسم کی تحریروں سے غلط فہمی اور حقیقت فراموشی اور بڑھ جاتی ہے، کیونکہ محققانہ بیانات پر کم لوگوں کی نظر پڑتی ہے، حالانکہ تقریباً سارے محقق تذکرہ نویسوں نے اس کو حضرت مولینا رومی کی تصنیف ظاہر کیا ہے،

چند غزلیں عام طور پر مقبول اور مروج ہوئیں، تو انکے مقطعوں میں حضرت شمس تبریز ہی کا نام تھا، اسلئے عام طور پر حضرت شمس کو فارسی کا ایک بلند پایہ شاعر اور اس دیوان کو انہی کے کلام کا مجموعہ سمجھا گیا، انہی اسباب کے باعث عارفِ روم کا شاندار تغزل پردہ پوش ہوگیا اور وہ ایک غزل گو شاعر کی حیثیت سے غیر معروف ہوگئے جہانتک ہمیں علم ہے مشرق اور مغرب میں ابھی تک ایسی باقاعدہ اور محققانہ جدوجہد نہیں کی گئی، کہ اس دیوان کو ان شکوک وشبہات اور غلط فہمیوں کے طلسمات سے نکالا جائے اور داخلی وخارجی شواہد اور تاریخی و

ادبی براہین سے یہ واضح کر دیا جائے کہ یہ شراب طہور عارف روم مولوی معنوی ہی کی کشید کی ہوئی ہے،

ان صفحات میں اسی کی اولین لیکن ابتدائی کوشش کی گئی ہے، اور وہ بھی ایک طالب علم کی طرف سے،
کام کی اہمیت اور عظمت ظاہر ہے لیکن بے بساطی اور بے سروسامانی کے باعث راہ میں مختلف مشکلات حائل ہیں،
اسکے لئے علاوہ شعراء اولیاء کبار کے تذکروں اور سوانح عمریوں کے ایک طویل سلسلہ کے کلیات کے کئی نسخوں،
ملفوظات اور مثنوی معنوی کے سارے دفتروں کا کامل مطالعہ ضروری ہے لیکن ایک تعلیمی سال کا تنگ وقت
دوسری تعلیمی مشغولیتوں کے ساتھ ساتھ کما حقہ ان کے مطالعہ، فراہمی مواد، اور تحریر مقالہ کیلئے ناکافی ہے،

ہماری تلاش اور تحقیق کی بنیاد اس مواد پر ہے، جو حیدرآباد میں ہمارے ہاتھ آسکا، مغرب اور مشرق کے
کے مختلف مقامات پر جو اہم مواد پایا جاتا ہے، اسکے استفادے سے ہم مجبور اور معذور ہیں،
کلیات کے بعض اہم اور قدیم نسخے جو قسطنطنیہ یا یورپ کے بعض کتبخانوں میں پائے جاتے ہیں، ہماری
رسائی سے باہر ہیں، اس دقت کے سبب سے قدیم ترین اور صحیح ترین نسخہ کی بحث ہمارے دائرہ عنوانات
سے خارج ہے، سلسلہ تحقیق میں مختلف مقامات ایسے درپیش ہوتے ہیں، کہ قدیم اور معتبر نسخوں سے مقابلہ
کئے بغیر کامل اطمینان نہیں ہوتا،

امید ہے کہ ایک طالب علم کی اس ابتدائی اور اولین کوشش پر نظر ڈالتے وقت یہ واقعی مشکلات بھی پیش نظر
ہونگی، اور مختلف کمزوریاں نظر انداز کیجائیں گی،

ہمارے مباحث کا سرسری خاکہ حسب ذیل ہے:-

١- خارجی یا تاریخی شواہد جس سے ثابت ہو کہ دیوان شمس تبریز مولانائے روم کی غزلیات کا مجموعہ ہے،
٢- داخلی اور معنوی شہادتیں جس سے مذکورہ بالا دعوی کی تائید ہوتی ہو،
٣- مولانا کی غزلیات کے محاسن نقائص اور خصوصیات جو انہیں فارسی کے دیگر مشہور غزل گو صوفی شعراء کے کلام سے ممتاز کرتے ہیں،
٤- مولانا کا مسلک تصوف اور فلسفہ حیات جو دیوان سے مترشح ہوتا ہے،

ادوارِ زندگی، مولانا کے ادوارِ زندگی، ان کے معتبر ترین تذکرہ رسالہ سپہ سالار کی روایت کے مطابق حسب ذیل ہیں،

۱۔ ۶۰۴ھ سنہ پیدائش،

۲۔ ... تا ۶۲۸ھ بعمر ۲۴ سال) تحصیل علوم ظاہری وسیاحت وغیرہ،

۳۔ ۶۲۸ھ تا ۶۴۲ھ (۱۴ سال) تدریس وافتا، تکمیل دورِ اول،

۴۔ ۶۴۲ھ تا ۶۵۲ھ (۱۰ سال) آغاز دورِ معنوی وملاقات شمس وغیاب، تصنیف دیوان،

۵۔ ۶۵۲ھ تا ۶۶۲ھ (۱۰ سال) دورِ تسکین وصحبت خاص صلاح الدین زرکوب،

۶۔ ۶۶۲ھ تا ۶۷۲ھ (۱۰ سال) صحبت خاص حسام الدین چلپی وتکمیل مثنوی،

۷۔ ۶۷۲ھ سنہ وصال،

ضروری تنبیہ، اس مقالہ میں دیوان شمس تبریز کے ایسے حصۂ کلام سے بحث نہیں کی گئی ہے جو مشکوک ہے، یا نمایاں طور پر دوسرے شخص کا کلام معلوم ہوتا ہے، جسے مولانا کے کلام میں داخل کر دیا گیا ہے، کیونکہ دیوان کے اصلی اور صحیح نسخہ کی بحث ہمارے موضوعِ بحث سے خارج ہے،

بابِ اوّل

تاریخی یا خارجی شہادت

مولینا کے بعض خاص حالات مولینائے روم[1] رحمہ اللہ نے بتاریخ ۶ ربیع الاول ۶۰۴ھ ہجری عالمِ فانی میں قدم رکھا، مقامِ پیدائش بلخ ہے، نسباً صدیقی ہیں، نسبتِ صدیقی کا اثر بزرگانِ خاندان میں مسلسل ظاہر ہوتا رہا، مولانا کے والد ماجد حضرت سلطان العلما، بہاء الدین علوم ظاہری و باطنی میں اپنے عہد میں بے نظیر کمال رکھتے تھے، برگزیدۂ خالق اور محبوبِ خلائق تھے،

شیخ عطار کی جوہر شناسی محمد خوارزم شاہ بلخ عزیزا ور ارادتمند تھا لیکن بعض غلط فہمیوں کی بنا پر برگشتہ ہو گیا، سلطان العلما، نے مع اپنی جماعت کے بلخ سے ہجرت فرمائی، اثنائے سفر میں قافلہ نیشاپور پہنچا، شیخ عطارؒ سلطان العلما کی ملاقات کے لئے تشریف لائے، مولانا کمسن تھے لیکن جوہر شناس عطارؒ نے اس قطرۂ نیساں کی قدر پہچان لی، اپنی کتاب اسرار نامہ ہدیۃً دی، اور سلطان العلما، سے فرمایا،

"زود باشد کہ ایں پسر آتش در سوختان عالم بر زند"

تعلیم اور فضل و کمال ابتدا میں والد ماجد نے تعلیم و تربیت فرمائی، اس کے بعد تاج المحذومین حضرت سید برہان الدین جیسے متبحر عالم و عارف آپ کے معلم مقرر ہوئے، شوقِ علم کا یہ عالم تھا کہ حلب، دمشق، اور دیگر مقامات کے علمی مرکزوں میں جا کر اہلِ کمال کے فیضِ تعلیم سے مستفید ہوئے، نوجوانی ہی میں علم و فضل پایۂ استناد کو پہنچ گیا

---

[1] یہ حالات مولینا کے معتبر ترین تذکرہ رسالہ سپہ سالار سے لئے گئے ہیں، سپہ سالار ص ۱۳

سپہ سالار کا بیان یہانتک ہے کہ حضرت خضر بھی باطنی طور پر اپنے علم لدنی سے مولینا کو فیض پہنچاتے رہے خود مولانا فرماتے ہیں ،:۔

"اول از خضرم بہ جملہ علم لدنی را یافتم"

اسی زمانہ سے دین کی راز دانی کا سلسلہ شروع ہو گیا،

والد ماجد کے انتقال کے بعد دوسرون کے اصرار پر تعلیم اور افتا کا سلسلہ شروع فرمایا، اور مسند علم پر رونق افروز ہوئے، صاحب مناقب راوی ہیں کہ چار سو طلبہ کا ہجوم ہر وقت رہتا تھا، مثنوی کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے، کہ علوم مروجہ پر کسقدر تبحر اور عبور تھا، لیکن اس دفتر بے پایان سے "دل کا چین" حاصل نہ ہو سکا، باطنی طلب کی پیاس باقی رہی،

جوہر طینت آدم زخمیر دگر است، تو توقع زگل کوزہ گران می داری،

بچپن ہی سے عالم غیب سے ربط اور مناسبت کے آثار ظاہر تھے لیکن مولینا نے پہلے حضرت سید برہان الدین رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر بیعت کی، اور نو سال تک اصلاح باطن میں مصروف رہے، اس کے علاوہ قیام دمشق کے زمانہ میں شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن عربیؒ، شیخ سعد الدین حمویؒ، شیخ عثمانی رومی، شیخ اوحدالدین کرمانیؒ اور شیخ صدرالدین قونوی کی صحبت باسعادت رہی، جس میں حقائق و معارف ہی کی گفتگو ہوتی تھی،

حضرت شمس سے ملاقات | حضرت شمس الدین محمد تبریزی بابا کمال الدین جندی رحہ کے مرید، اور صاحب کمال تھے، شیخ فخرالدین عراقیؒ حضرت شمس کے پیر بھائی، اور ساتھی ہیں، خانقاہ میں عراقی کا یہ دستور تھا، کہ جن حقائق اور معارف کا انکشاف ہوتا، اور جو احوال مقامات سلوک میں ان پر گذرتے، ان کو اشعار کا جامہ پہناتے، اور شیخ محترم کو سناتے، ایک دن شیخ موصوف نے حضرت شمس سے بھی فرمایش کی، کہ تم بھی اپنے حالات کو صورت نظم میں پیش کرو، حضرت شمس نے اصطلاحی علوم اور شعر گوئی سے عدم واقفیت کا عذر فرمایا، حضرت بابا نے پیشینگوئی فرمائی، کہ

"حق سبحانہ تعالیٰ ترا مصاحبے روزی کند کہ معارف وحقائق اولین وآخرین را بنام تو اظہار کند، وینابیع حکم ازدل او برزبانش جاری شود، و بلباس حرف وصورت درآید، وطراز آن لباس بہ نام تو باشد۔"

(نفحات الانس جامی تذکرہ شمس الدین محمد بن ملک داد تبریزی)

خود حضرت شمس بھی اس کے متمنی تھے، کہ کوئی ایسا ہمراز مل جائے، جو میرے اسرار اور شدتِ حال کا متحمل ہو سکے، سپہ سالار کی روایت ہے کہ اس کے لئے حضرت شمس دعا فرماتے تھے، غیب سے اشارہ ہوا کہ روم کی طرف جاؤ، ....

"مولانا شمس الدین در وقت مناجات می فرمود کہ ہیچ آفریدہ از خاصان تو باشد کہ صحبت مرا تحمل تواند کردن، درحال از عالم غیب اشارت رسید کہ اگر حریف صحبت خواہی بطرف روم سفر کن، درحال ازان پائے متوجہ ولایت روم گشت وشہر بشہر جویان گشت تا بمحروسہ قونیہ برسید"

(سپہ سالار در ذکر شمس الدین)

یہاں ایک عارفانہ مکالمہ ہوا اور دونوں میں حُب للہ کا ایسا تعلق قائم ہوا، کہ آج تک اس کا تذکرہ اور چرچا ہے، اس حقائق شناس کی صحبت سے مولانا نے درس وافتا کو ترک کر دیا، اور روز و شب شمس ہی کی خدمت میں رہنے لگے، اخبارِ رسول کا مشغلہ چھوڑ کر اسرارِ رسول ؐ سے لذت یاب ہونے لگے، خود فرمایا کرتے کہ علمائے ظاہر اخبار رسول سے واقف ہیں، اور مولینا شمس الدین اسرار رسول سے،

مناقب میں ہے:۔

"روزی مولانا فرمود کہ علما ظاہر واقفِ اخبار رسول اند، وحضرت مولانا شمس الدین واقفِ اسرار رسول است۔"

شمس تبریز توئی واقفِ اسرار رسول   نام شیرین تو ہر دل شدہ را درماں باد

اس سے پہلے مولانا کچھ وطن کے ماحول، اور کچھ احتیاط کے مدنظر شعر سے مجتنب تھے، لیکن اس صحبت کا ایک نیا رنگ یہ پیدا ہوا کہ مولانا نے سماع اور شعر گوئی کی طرف توجہ فرمائی، رفتہ رفتہ اس مشغلہ کی کثرت ہوئی، افلاکی لکھتے ہیں:۔

"دائما اسرار و غزلیات می فرمود"

اس میں کچھ ذوقِ حال اور کچھ مصلحت شناسی کو دخل تھا، اس زمانہ میں شعر و شاعری کا بڑا چرچا تھا، مسلمان شعر کی طرف متوجہ تھے، غزلیات اور مثنویات سے دلچسپی پیدا ہوگئی، خصوصاً شاہنامہ فردوسی کا مطالعہ بہت ہوتا تھا، دینی معارف کی طرف لوگوں کی توجہ نہ رہتی تھی، "عشقِ لیلیٰ" کا ذوق شعر نے عام کردیا تھا، لیکن "عشقِ مولیٰ" کا دلدادہ نہ ملتا تھا، مولانا نے پیرایۂ شعر اور "نالۂ نے" میں عشقِ حقیقی کا وہ صور پھونکا کہ آجتک مردہ دل انکے کلام سے زندہ ہو رہے ہیں، اسکی حقیقت خود بے نقاب فرمائی ہے،

"مردم این ملک از عالمِ عشق مالک الملک قوی بے خبر بودند، چناں مشاہدہ کردیم کہ ہیچ نوع بہ طرفِ حق مائل نہ بودند، و از اسرار الٰہی محروم می ماندند، بطریقِ لطائف، سماع و شعر موزون، کہ طبائع مردم را موافق افتادہ است، آن معانی را در خورِ ایشان دادیم، چہ مردم روم اہلِ طرب و زہرہ بیان بودند،"

(مناقب العارفین در تذکرہ مولانا جلال الدین رومی)،

تصانیف نظم میں مثنوی معنوی شہرۂ آفاق ہے، لیکن اس سے تقریباً دوگنے اشعار کا ایک دیوان ہے، یہ دیوان، دیوان شمس تبریز کے نام سے مشہور ہے، بالعموم انہی کا خیال کیا جاتا ہے، صرف اہلِ علم و خبر اس حقیقت حال سے واقف ہیں، اس کے مختلف اسباب اور وجوہ دیباچہ میں بیان ہو چکے ہیں، ہم تاریخی شواہد اور داخلی دلائل سے اس غلط فہمی کا پردہ اٹھانا چاہتے ہیں، مباحث کا مفصل خاکہ دیباچہ میں درج کیا جا چکا ہے،

آغاز بحث

تاریخی شواہد | اب ہم اپنی بحث کے پہلے جزو یعنی تاریخی شواہد کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، اس سلسلہ میں ہم پہلے متاخرین کے بیانات نقل کریں گے، پھر متقدمین کے،

تاریخی شہادتوں کی فراہمی میں مختلف مشکلات کا سامنا ہے، مولانا کے ہم عصر یا قریب العہد تذکرہ نویسوں کے تذکرے دستیاب نہیں ہوتے، تاہم استثنائی طور پر بعض اہم اور معتبر تذکرے اور دوسری نوعیت کی ایقان آفریں اور اطمینان بخش شہادتیں ملتی ہیں جن سے دعوی کا ثبوت ملتا ہے، البتہ متاخرین نے اپنے اپنے تذکروں میں مسلسل اس حقیقت کا اظہار کیا ہے،

علامہ شبلی کا بیان | اس سلسلے میں سب سے پہلے ہندوستان کے مشہور مورخ اور ادیب، فارسی شاعری کے جوہر شناس علامہ شبلی نعمانی کی شہادت نقل کرتے ہیں، آپ نے علاوہ شعر العجم کے سوانح عمری مولینا روم کے نام سے مولانائے معنوی کی ایک مبسوط سوانح لکھی ہے جس میں ایک مستقل باب کے تحت مولانا کی تصانیف پر بھی نقد و تبصرہ کیا ہے[1] آپ "فیہ ما فیہ" کے مختصر تذکرہ کے بعد بعنوان "دیوان" تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس میں قریبًا پچاس ہزار شعر ہیں، چونکہ غزلوں کے مقطع میں عمومًا شمس تبریز کا نام ہے، اسلئے عوام اسکو شمس تبریز ہی کا دیوان سمجھتے ہیں، چنانچہ دیوان مطبوعہ کی لوح پر شمس تبریز ہی کا نام لکھا ہے لیکن یہ نہایت ہی فاش غلطی ہے، اولًا تو شمس تبریز کا نام تمام غزلوں میں اس حیثیت سے آیا ہے، کہ مرید اپنے پیر سے خطاب کر رہا ہے یا غائبانہ اسکے اوصاف بیان کرتا ہے،

دوسرے، ریاض العارفین[2] وغیرہ میں تصریح ہے، کہ مولانا نے شمس تبریز کے نام سے یہ دیوان لکھا، اس کے علاوہ اکثر شعرا نے مولینا کی غزلوں پر غزلیں لکھی ہیں، اور مقطع میں تصریح کی ہے، کہ یہ غزل مولانا کی غزل کے

---

[1] ص ۳۰، ۳۱، سوانح مولوی روم از شبلی حصہ دوم مطبوعہ شاہجہانی پریس دہلی، [2] اس تذکرہ کا ذکر مولینا شبلی نے علاوہ سوانح مولینا روم کے شعر العجم میں بھی کیا ہے لیکن افسوس کہ حیدرآباد میں اس کا کوئی نسخہ نہ ملا؟

جواب میں ہے، اسکے ساتھ مولانا کی غزل کا پورا مصرعہ یا کوئی ٹکڑا اپنی غزل میں لے لیا ہے، یہ وہی غزلیں ہیں جو مولانا کے اس دیوان میں ملتی ہیں، جو شمس تبریز کے نام سے مشہور ہے، مثلاً علی حزینؒ کہتے ہیں،

این جواب غزل مرشد رومست کہ گفت — من ببوئے تو خوشم نافہ تاتار مگیر،

دوسرا مصرعہ مولینا کا ہے، چنانچہ اس کا پورا شعر یہ ہے،

من بہ کوئے تو خوشم خانۂ من ویران کن — من ببوئے تو خوشم نافۂ تاتار مگیر

حزین کی ایک اور غزل کا شعر ہے:-

مطرب زنوائے عارفِ روم — این پردہ بزن کہ یار دیدم،،

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کی شہادت، انسائیکلوپیڈیا[۵۱] آف اسلام کی شہادت ہے،

"جس واقعہ سے ان کی ذہنی اور اخلاقی زندگی سب سے زیادہ متاثر ہوئی وہ صوفی شمس الدین تبریزیؒ سے ان کی ملاقات ہے،

اپنے رہبر طریق کی احسانمندی کا اعتراف مولینا نے بدین صورت کیا ہے، کہ اپنے کلام کا ایک بڑا حصہ ان کے نام موسوم فرمایا، ایک دیوان بھی ان کی تصنیف ہے[۵۲]"

مذکورہ بالا افکار کا بڑا حصہ (A great part of his work) دیوان ہی ہے جو شمس تبریز کی طرف منسوب ہے، کیونکہ مثنوی تو کسی دوسرے کی طرف منسوب ہی نہیں ہے،

پروفیسر براؤن کا بیان، پروفیسر براؤن (E. G. Brown) اپنی مشہور عالم کتاب "ایران کی ادبی تاریخ" (۱۹۰۶ء) (Literary History of Persia Vol II. P. 519) میں مولینا کی غزلیات کے متعلق لکھتے ہیں:

"نکلسن کی تحریر کے مطابق غزلیات سے متعلق جو دیوان شمس تبریز کے نام سے معروف ہیں، دولت شاہ کا یہ بیان ہے کہ یہ خاص طور پر حضرت شمس کے غیاب دمشق کے دوران میں لکھی گئیں، لیکن رضا قلی خان کا قیاس یہ ہے کہ یہ مولانا کی یاد

---

۵۱ ..اڈیشن ج ۵۲ انسائیکلوپیڈیا اور دیگر تذکروں میں اس حقیقت کا اظہار ہوتا ہے، کہ مولانا کا دیوان حضرت شمس تبریز سے منسوب ہو گیا، اس واقعہ کو اس پیرایہ میں لیا ہے،

ہیں لکھی گئیں لیکن نکلسن کا اپنا خیال جو غالباً صحیح ہے یہ ہے کہ دیوان کا ایک حصہ تو شمس تبریزی کی زندگی ہی میں لکھا گیا ہے، اور ایک بڑے حصّے کا زمانۂ تصنیف مابعد کا ہے[۱]"

نکلسن کا بیان: مندرجۂ بالا عبارت میں براؤن نے ڈاکٹر نکلسن کے حوالہ سے اس واقعہ کا اظہار کیا ہے لیکن[۲] ڈاکٹر نکلسن کا بیان ملاحظہ ہو جس میں ایک خاص انداز سے اس حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے کہ مولینا کا دیوان شمس کے نام سے مشہور ہو گیا،

"دیوان ہرگز شمس تبریز کے نام سے منسوب یا موسوم نہیں کیا گیا جنکا غالباً اسکی تکمیل سے پہلے وصال ہو گیا، پھر کس سبب سے انکا نام سرورق اور اکثر غزلیات کے مقطعوں میں پایا جاتا ہے؟ وہ کون ہیں؟ اور جلال الدین رومی سے ان کا کیا ربط ہے[۳]؟

کیوں کسی فردوسی اور حافظ کے مرتبہ کے شاعر کے غیر فانی تغزل کا سہرا ایک غیر معروف درویش کے سر رہا"؟

آتشکدہ آذر: آتشکدۂ[۴] آذر میں حاجی لطف علی بیگ آذر کہتے ہیں:-

"در اکثر ابیاتِ عاشقانہ و عارفانہ کہ اسم شمس تبریزی می برد غرض شیخ شمس الدین تبریزیست کہ اصلش از خراسان بودہ و خود در تبریز متولد شدہ،

مثنوی اشعار بسیار دارد، آنچہ بہ نظر فقیر قلیلی ازان را بزعم خود انتخاب کردہ، بسمع دوستان میرساند" مثلاً

ایا کہ عشق نداری ترا رواست بخسپ	ترا کہ عشق نداری ترا رواست بخسپ
برو کہ عشق و غم او نصیب ماست بخسپ	برو کہ عشق و غم او نصیب ماست بخسپ
(آتشکدہ)	(دیوان شمس تبریز مطبوعہ منشی نولکشور ۱۹۲۴ء)
نمائے رُخ کہ باغ و گلستانم آرزوست	بنمائے رُخ کہ باغ و گلستانم آرزوست

۱ مجمع الفصحا، پر رضا قلی خان مطبوعہ ایران ۱۲۹۵ھ ص۲۶۸ ۲ منتخب غزلیات دیوان شمس تبریز ڈاکٹر رینالڈ اے نکلسن کیمبرج ۱۸۹۸ء
۳ اس سے مراد یہ ہے کہ ارادۂ تکمیل کے بعد مولانا کی طرف سے حضرت شمس کے نام معنون نہیں کیگئی ۴ آتشکدہ آذر ص۲۹۶ مؤلفہ حاجی لطف علی بیگ صاحب آذر مطبع فتح الکریم بمبئی ص۳۲۳ اخگر دوم شرارۂ اولی،

بکشائی لب که قند فراوانم آرزوست	بکشای لب که قند فراوانم آرزوست
یکدست جام باده ویک دست زلفِ یار	یکدست جام باده ویکدست زلف یار
رقصی چنین میانۂ می دانم آرزوست	رقصی چنین میانۂ می دانم آرزوست
دی شیخ با چراغ ہمی گشت گرد شہر	دی شیخ با چراغ ہمی گشت گرد شہر
کز دیو و دو ملولم و انسانم آرزوست	کز دیو ملولم و انسانم آرزوست ،
زین ہمرہان سست عناصر دلم گرفت	زین ہمرہان سست عناصر دلم گرفت
شیر خدا و رستم دستانم آرزوست	شیر خدا و رستم دستانم آرزوست
گفتم کہ یافت نی نشود .... ما	گفتہ کہ یافت نیست کہ بس ...... ما
گفت آن کہ یافت می نشود آنم آرزوست	گفت آن کہ یافت می نشود آنم آرزوست
(آتشکدۂ آذر)	(دیوان شمس تبریز مطبوعہ نولکشور)

عارفانہ اور عاشقانہ ابیات جنھیں مولانا نے حضرت شمس کا نام درج کیا ہے، دیوان کے اشعار ہیں سوائے مثنوی کے دیگر "اشعار بسیار" سے مراد غزلیات ہی کے شعر ہیں جن کا مجموعہ کلیات شمس تبریز کے نام سے ہمارے پیش نظر ہے، چنانچہ مثلاً جن اشعار کو حاجی صاحب نے درج فرمایا ہے، دیوان سے انھیں اشعار کو بالمقابل درج کیا گیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے، کہ دیوان مولانا روم ہی کے غزلیات و اشعار کا مجموعہ ہے،

خزینۃ الاصفیاء (طبع ۱۲۹۰ھ) — صاحب[۱] خزینۃ الاصفیاء مولینا کی غزل گوئی اور حضرت شمس تبریز سے انکی محبت اور کلام میں انکی محبت سرائی کے متعلق لکھتے ہیں،

"مولینا جلال الدین رومی صاحب مثنوی را کمال اعتقاد و یگانگت با وے بود و ہمیشہ با وے صحبت میداشت و در اشعار خود در اکثر جا ستائش وے کردہ اند"

[۱] خزینۃ الاصفیاء جلد دوم مصنفہ غلام سرور مطبوعہ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ ۱۸۷۳ء = ۱۲۹۰ھ ص ۲۶۹

شیخ حسام الدین چلپی کے ذکر میں لکھتے ہین :-

"چون حسام الدین الٰہی نامہ حکیم سنائی و منطق الطیر فرید الدین عطار و مصیبت نامہ وے بدید بخدمت مولوی عرض کرد کہ حالا غزلیات بسیار شد ند اگر بہ طرز الٰہی نامہ و منطق الطیر کتابے منظوم گردد، بر صفحۂ ہستی یادگار بماند،"

ان بیانات سے مولانا کی کثرت غزل گوئی اور حضرت شمس کی ستایش کا ثبوت بہم پہنچتا ہے، یہ ستایش دیوان شمس تبریزی میں پائی جاتی ہے،

مجمع الفصحا ۱۲۸۴ھ مجمع الفصحا، کا بیان نہایت واضح اور مفصل ہے،

حضرت شمس کے حالات مین لکھتے ہین :-

"چون ملتجی شد بہ سیر و سیاحت رغبت فرمود، و بخدمت مشائخ رسید، ارادت بشیخ رکن الدین سنجاسی داشت، و وی و شیخ فخر الدین ابراہیم ہمدانی متخلص بہ عراقی، شیخ از شمس پرسید کہ فرزند! تو توانی واردات خود را در صورت عبارت و الفاظ در آوردن،"

وی گفت "مرا از علم صورت و نظم بہرہ نیست"،

شیخ فرمود "خداوند تو فرزند و مصاحبے روحانی خواہد داد کہ بسیارے از علوم اولیں و آخرین بنام تو در روزگار از و باقی ماند پس بجانب روم رو حقیقت معلوم شود، و در آنجایم سوختۂ ہست آتش در او زن کہ عالم را روشن کند،"

شمس کی سیاحت اور مولینا روم سے ملاقات اور اون کی عقیدت مندی کی تفصیل کے بعد لکھتے ہین،

"مولینا بنا بر ارادت دیوانی بنام شیخ تمام فرمود و این کہ تا اکنون بہ نظر رسیدہ چہل و پنجاہ ہزار بیت اشعار است و بغایت نیکوست،

چون مقصود مولانا بقائی نام جناب شیخ است اشعار خود را بنام او گفتہ با آنکہ شمس سوختہ شاعر نبود"

مولانا نے اپنے کلام میں اسرارِ شمس کی ترجمانی فرمائی ہے، اس لئے مدح شمس بھی بڑی کثرت اور شدت سے کیگئی ہے، دیوانِ شمس کے مطالعہ سے یہ بات آئینہ ہوجاتی ہے،

بہارستان سخن شاہ نوازخان، عبدالرزاق خان خوافی المخاطب بہ شاہ نوازخان صمصام الدولہ اپنے تذکرہ امراء اہلِ سخن موسوم بہ بہارستانِ سخن[1] میں لکھتے ہیں،

"دیوان فیض نشانِ وے کہ اکثر در فراق شمس الدین تبریزی است ونام شریف وے بطریق تخلص درآن درج کردہ سی ہزار بیت است، چند بیت از دیوان مولانا است

شراب شیشۂ انگور خواہم، حریف سرخوش مخمور خواہم،

بیا نزدیکم اے ساقی کہ امروز، من از خود خویشتن را دور خواہم"

داراشکوہ ۱۰۴۹ھ، شاہزادہ محمد داراشکوہ اپنے مشہور تذکرۂ صوفیہ "سفینۃ الاولیاء"[2] (سنہ تصنیف ۱۰۴۹ھ) بعنوان "در ذکر شمس تبریز" بیان کرتے ہیں:-

"مولینا جلال الدین رومی راکمال یگانگی ویکجہتی بایشان بودہ وہمیشہ باہم صحبت میداشتند، ودر اشعار خود ہمہ جا ستایش کردہ اند"

اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ "در اشعار خود ہمہ جا ستایش کردہ اند" کا مرجع صرف دیوان شمس تبریز ہی کی غزلیات ہیں، کیونکہ تقریباً ہر غزل میں حضرت شمس کی ستایش کسی نہ کسی صورت میں پائی جاتی ہے، بلکہ اُسے حضرت شمس کا ستایشی دیوان کہا جائے تو بہتر ہے:-

مرأۃ الاسرار عبدالرحمن چشتی ۱۰۴۵ھ، تذکرہ مرأۃ الاسرار[3] میں عبدالرحمن چشتی صابری نے اس راز کو بخوبی بے نقاب

---

[1] قلمی نسخہ سنہ کتابت ۱۱۹۴ھ ص ۱۲۵، کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن، شمس کا نام بطور تخلص درج نہیں ہے، بلکہ بطریق ممدوح ہے،

[2] سفینۃ الاولیا قلمی کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن، ص ۱۵۹ [3] تذکرہ مرأۃ الاسرار عبدالرحمن چشتی صابری ۱۰۴۵ھ قلمی کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن،

کیا ہے، صاحبِ تذکرہ تحریر فرماتے ہیں، کہ حضرت خواجہ شمس الدین[۱] نے حضرت شمس تبریزؒ سے فرمایا کہ "حق سبحانہ تعالیٰ ترا مصاحبی روزی کند، کہ معارف حقائقِ اولین وآخرین را بنامِ تو اظہار کند و ینابیع حکمت از دلِ او بزبانش جاری شود، و بلباس حرف وصوت درآرد و طرز آن لباس نام تو باشد، چنانکہ در تصنیفات مولوی روم ظاہر است، (ص ۱۲۵)

یہ بیان کس قدر واضح ہے، حسب ذیل کلمات قابلِ غور ہیں،

۱۔ "معارف حقائقِ اولین وآخرین را بنامِ تو اظہار کند،"

۲۔ "طرز آن لباس بنام تو باشد،"

۳۔ "چنانکہ در تصنیفات مولوی روم ظاہر است"

تصنیفات مولوی روم میں اس کا بہترین مصداق سوائے دیوانِ شمس تبریز کے اور کوئی کتاب نہیں ہے،

یہ پیشینگوئی کیونکر حرف بحرف پوری ہوئی ملاحظہ ہو،

مولانا کے حال میں لکھتے ہیں،

"کارِ او بصحبت خواجہ شمس الدین تبریزی بکمال رسیدہ چنانکہ در دیوان خود اکثر جانسبت ارادت خود را بخدمت وے، درست می کند، ازان جملہ یک بیت اینست،"

گرد عطار گشت مولینا، شربت از دست شمس بود ش نوش،

(دیکھو دیوان شمس تبریز لکھنؤ ردیف ش،)

صاحبِ تذکرہ مرآۃ الاسرار ذکر شمس تبریز کے سلسلہ میں بیان کرتے ہیں، کہ

---

[۱] دیگر تذکرہ نویسوں نے یہ پیشینگوئی بابا کمال الدین جندی سے منسوب کی ہے، (دیکھئے نفحات ذکر شمس) غالباً اس موقع پر صاحبِ تذکرہ سے غلطی سرزد ہو گئی ہے،

"قیاس کنند که خواجہ شمس الدین از جملہ طالبان[1] مولوی روم بودہ وہر گاہ در مصنفات مولوی روم نگاہ میکنیم وی خود را از کمترین طالبان و مریدان خواجہ شمس الدین شمردہ است چنانکہ در دیوان اشعار وی چند جا ظاہر یافتہ می شود" ازان جملہ چند بیت،

تا آنکس ہر کہ مردہ از جمالش زندہ شد — گریہ ہائے وصل عالم از وصالش خندہ شد

آن خنک جائے کہ لطف شمس الدین بیافت — برگذشت از نہ فلک بر لامکان باشندہ شد

چون شمس الدین نظیرے نیست ایں جا، — چون شمس الدین نباشد روئے خورشید"

مولانا کے فیض روحانی کے سرچشمہ کا اظہار کرتے ہوئے چند شعر نقل کئے ہیں، جو دیوان میں پائے جاتے ہیں،

"وہم از اشعار وے ظاہر می شود کہ وے را فیض خاص بحسب روحانیت حضرت مصطفوی و مرتضوی تمام بودہ است، چنانچہ از غلبہ شوق بسر وجد حال خود می فرماید، غزل،

زخلق احمد مختار مستیم، — زخلق احمد مختار مستیم،

ز مہر حیدر کرار مستیم، — ز بوئے حیدر کرار مستیم

نسیمے یافتم از شمس تبریز، — نسیمے یافتم از شمس تبریز،

کہ من زان سالک اسرار مستیم" — کہ از آن سالک اسرار مستیم،

(تذکرہ) — (کلیات شمس تبریز لکھنؤ)

طرائق الحقائق معصوم خان، آقا حاجی مرزا معصوم خان "طرائق الحقائق"[2] میں بابا کمال الدین جندی کے ذکر میں لکھتے ہیں:-

"اما بابا کمال جندی شمس الدین تبریزی وازوی بمولی جلال الدین رومی نیز متصل می گردد چنانکہ گزشت در ذکر سلسلہ مولویہ و بعضے باین اشعار مولینا کہ در غزلیات فرمودہ استشہاد نمودہ نظر او

---

[1] مراۃ الاسرار ص ۳۰۲، [2] طرائق الحقائق سنہ طباعت ۱۳۱۸ھ کتبخانہ آصفیہ ص ۵ اجز ثانی،

بہ نجم الدین بودہ"

حسب ذیل اشعار درج ہین، اور یہ دیوان میں پائے جاتے ہین،

دیوان	تذکرۂ مذکور
ما از ان محتشانیم کہ ساغر گیرند	"ما از ان محتشانیم کہ ساغر گیرند،
نہ از ان مفلسگان کہ بز لاغر گیرند،	نہ از ان مفلسگان کہ بز لاغر گیرند،
بیکے دست مئے خالص ایمان نوشند	بیکے دست مئے خالص ایمان نوشند
بیکے دستِ دگر پرچم کافر گیرند	بیکے دستِ دگر پرچم کافر گیرند"

(دیوان مطبوعہ لکھنو ردیف د)

حاشیۂ نفحات الانس لاری ۹۰۹ھ مولانا عبد الغفور لاری حضرت جامیؒ کے خادم اور ارادتمند ہین، اونھون نے حضرت جامیؒ کے صاحبزادہ مولانا یوسف کے ایما سے تکمیل نفحات الانس کے طور پر ایک تذکرہ لکھا ہے، اس کا نام حاشیہ نفحات الانس ہے، تذکرہ کم یاب بلکہ نایاب ہے، ایک[1] قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن میں موجود ہے، صاحبِ حاشیہ نفحات مولانا روم کے حالات درج کرنے کے بعد حضرت شمس کے حال میں لکھتے ہین

"چنانچہ مولینا تخلص بنام شیخ شمس الدین کردہ"

اس ایک حقیقت کی کہ دیوان شمس تبریز کلام شمس نہیں بلکہ مولانا کی غزلیات کا مجموعہ ہے مختلف تعبیرین ہماری نظر سے گذری ہین، اس حقیقت کی ایک تعبیر خاص یہ بیان بھی ہے،

ظاہر ہے کہ یہ بیان مثنوی معنوی سے متعلق تو نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس کا کوئی محل نہین،

مولانا کے کلام میں صرف مجموعہ غزلیات المعروف بہ دیوان شمس تبریزی ہے، جس پر یہ قول صادق آسکتا ہے، کیونکہ کثرت سے مقطع کے اندر بجائے اپنے تخلص کے مولینا شمس کا نام لاتے ہین لیکن اس انداز مین جیسے

[1] سنہ تالیف ۹۰۹ھ قلمی، اس میں اوراق کا شمار ہے، ورق ۹۲،

عقیدتمند مرید اپنے مرشد طریق کا ذکر کرتا ہو، مثلاً

شمسِ تبریز بما راہِ حقیقت بنمود، ما ز فیضِ قدمِ اوست کہ ایمان داریم

نفحات الانس جامی ۸۸۳ھ | نفحات[1] الانس مولانائے روم کا مشہور تذکرۂ اولیا ہے، حضرت جامی شیخ نجم الدین کبری رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر فرماتے ہوئے بیان کرتے ہیں، کہ جب کفار تاتار نے خوارزم پر حملہ کیا اور سلطان محمد خوارزم بھاگ نکلا تو کفار تاتار نے خیال کیا کہ وہ خوارزم میں ہی، اسلئے داخل خوارزم ہوئے، شیخ نے اپنے بعض احباب کو طلب کیا اور فرمایا،

"زود برخیزید و بہ بلاد خود روید کہ آتش از جانب مشرق برافروخت، تا نزدیک بہ مغرب خواہد سوخت، این فتنہ ایست عظیم کہ درین امت مثل این واقع نشدہ است، بعض از اصحاب گفتند چہ شود، اگر حضرت شیخ دعاے کند، شاید کہ ایں بلا از بلاد مسلمانان مندفع شود، شیخ فرمود کہ این قضائیست مبرم، دعا دفع نمی تواند کرد، پس اصحاب التماس کردند کہ چہار پایان آمدہ است، چنانچہ حضرت شیخ نیز با اصحاب موافقت کنند.......... شیخ فرمود کہ من اینجا شہید خواہم شد و مرا اذن نیست کہ بیرون روم"

چنانچہ حضرت موصوف نے کفار کے داخل ہونے پر بڑے استقلال سے مقابلہ فرمایا، تفصیل کیلئے نفحات کا اصل صفحہ ملاحظہ ہو،

"چون کفار بہ شہر درآمدند شیخ اصحاب باقی ماندہ را بخواند و گفت "قوموا باذن اللہ علی اسم اللہ تعالی نقاتل فی سبیل اللہ" بخانہ درآمد و خرقہ خود را پوشیدہ و میان محکم بست ...... و بیرون آمد، چو با کفار متقابل شد ...... کفار وی را تیرباران کردند، یک تیر بر سینۂ مبارک وے آمد، بیرون کشید و بینداخت، و بران برفت،

[1] نفحات الانس، قلمی نمبر ۲۹، ورق، کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن، سنہ تصنیف ۸۸۳ھ مولفہ محمد عبد الرحمن جامی،

گویند کہ در وقت شہادت پرچم کافوری راگرفتہ بود، بعد از شہادت دہ کس نتوانستند کہ ویرا از دستِ شیخ خلاص دہند"

خاص توجہ کے قابل مندرجۂ ذیل تحریر ہے :۔

"بعضے گفتہ اند حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ در غزلیاتِ خود اشارت باین قصہ وانتساب خود بحضرت شیخ کردہ آنجا کہ گفتہ است،

ما ازان محتشمانیم کہ ساغر گیرند	ما ازاں محتشمانیم کہ ساغر گیرند
نہ ازان مفلسگان کہ بز لاغر گیرند	نہ ازان مفلسگاں کہ بز لاغر گیرند
بیکے دست مئے خالص ایمان نوشند	بیکے دست مئے خالص ایماں نوشند
بیکے دست دگر پرچم کافر گیرند"	بیکے دست دگر پرچم کافر گیرند
(تذکرہ)	دیوان شمس تبریز لکھنؤ (ولیف د)

دولت شاہ سمرقندی ۸۹۶ھ، تذکرۂ دولت شاہ[1] کا بیان ہے، کہ مولینا شمس الدین تبریز اپنے شیخ کبیر رکن الدین سنجابی کے حکم سے روم آئے، شہر قونیہ میں مولانائے روم سے ملاقات ہوئی، جب کہ وہ اپنے معتقدین اور متعلین کی ایک جماعت کیسا تھ جا رہے تھے، حضرت شمس تبریز نے از روے فراست اپنے محبوب اور مطلوب کو پہچان لیا اور سوال کیا :۔

"غرض از مجاہدت و ریاضت و تکرار و دانستن علم چیست"

مولانا نے جواب میں کہا :۔

"روش سنت و آداب شریعت"

حضرت شمس نے کہا :۔

---

[1] تذکرۂ دولت شاہ مصحح براؤن مطبوعہ بریل لیڈن سنہ تصنیف ۸۹۶ھ،

"این ہمہ از روئے ظاہر است"

مولانا نے دریافت فرمایا:-

"ورائے این چیست"

شمس عرفان نے اس پر یون ضیا پاشی فرمائی:-

"علم آنست کہ بہ معلوم رسی"

اور سنائی کا یہ شعر پڑھا:-

علم کز تو ترا نہ بستاند، جہل از آن علم بہ بود بسیار،

تذکرہ کے مطابق مولینا جواب سے متحیر ہوئے، اور حضرت شمس کی صحبت اختیار فرمائی، واقعات وحالات کچھ اس نوعیت کے درپیش ہوئے، کہ حضرت شمس شام کی طرف روانہ ہوگئے، مولانا حالتِ فراق سے نہایت مضطرب اور بیچین ہوئے، اس حالتِ جوش میں کثرت سے غزل فرماتے جن میں شمس کی مدح وتعریف اور ان کے فیض اور اپنی بے چینی اور تڑپ کا اظہار ہوتا،

"شمس الدین عزیمت شام نمود، ... ودر آرزوئے او مولینا می سوخت و قوالان را می فرمود تا سرود عاشقانہ می گفتند شب و روز بہ سماع مشغول بودند، واکثر غزلیات کہ در دیوان مولانا مسطور است، در فراق شمس الدین گفتہ است"...... و از معارف مولانا ست بنام شمس الدین این غزل،

آنا کہ بسر در طلب کعبہ دویدند، چون عاقبة الامر بہ مقصود رسیدند،

مدینة العلوم از تیقی قبل ۹۴۲ھ، | از تیقی[1] رومی مدینة العلوم میں زیرِ عنوان مولانا رومی[2] رقمطراز ہے،

---

[1] از تیقی خود رومی ہے، اور محمود بن محمد بن قاضی ترادہ رومی کا شاگرد وفات (۹۴۲ھ) [2] قلمی صنٓ۲ کتبخانہ حکیم عبدالحبیب صاحب دریابادی

توسط مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی مدیر صدق کے ہم اس بزرگانہ عنایت کیلئے ان ہر دو حضرات کے ممنون ہیں،

ومن علماء الحنفيّة الشيخ جلال الدين
القونوی وهو محمد بن محمد بن حسين
بن احمد ينتهي الى ابى بكر الصديق
كان عالما بالمذهب واسع الفقه
عالمًا بالخلاف وانواع العلوم
...... ثم انّ الشيخ جلال الدين
انقطع وتجرد، ترك التصنيف و
الاشتغال وسبب ذلك انه جالس
في بيته وحوله الكتب والطلبة
فدخل عليه الشيخ شمس التبريزي
فسلم وجلس وقال للشيخ ما
هذا واشار الى الكتب والحالة
التي هو عليها فقال له مولينا جلال
الدين هذا لا تعرفه، فما فرغ
الشيخ جلال الدين من هذا
اللفظ الا والنار عالة في البيت
والكتب فقال مولانا جلال الدين
للتبريزي، ما هذا فقال هذا
لا تعرفه ثم قام وخرج من

علمائے حنفیہ سے شیخ جلال الدین قونوی
بھی ہیں، ان کا نسب محمد بن محمد بن حسین بن
احمد کے سلسلہ سے حضرت ابوبکر صدیقؓ تک
پہنچتا ہے، مذہب کے ماہر اور فقہ پر وسیع
نظر رکھتے تھے، انھیں خلافیات اور دیگر
مختلف علوم میں تبحر حاصل تھا...... پھر
انقطاعِ تعلق اور تجرد اختیار فرمایا، تصنیف
اور دیگر مشاغل ترک کر دیئے، باعث اس کا
یہ ہوا کہ وہ ایک دن گھر پر بیٹھے ہوئے تھے
ان کے اطراف کتب اور طلبہ کا حلقہ تھا کہ حضرت
شیخ شمس تبریزی بھی تشریف فرما ہوئے، سلام
کے بعد بیٹھ گئے، شیخ رومیؒ سے ان کی کتابوں
اور شغل کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ یہ
کیا ہے؟ مولانا جلال الدین نے جواب
دیا کہ آپ ان چیزوں کو نہیں جانتے،
مولانا رومی ابھی یہ الفاظ پورے بھی نہ کرنے
پائے تھے کہ گھر اور کتابوں میں آگ لگ
گئی، مولینا جلال الدینؒ نے شیخ تبریزی
سے استفسار فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ حضرت نے

عند لاخرج الشیخ جلال الدین	فرمایا تم اسے نہیں سمجھ سکتے پھر وہ اٹھ کھڑے
علی قدم التجرید وترک اولاد	ہوئے اور وہاں سے روانہ ہوگئے، پھر تو شیخ
وحشمه ومدرسته وساح	جلال الدین نے بھی تجرید کی راہ اختیار کی
فی البلاد وذکر اشعاراً کثیرة	اور اولاد حشم و خدم اور مدرسہ سے قطع تعلق کرکے
ص ۲۰	مختلف شہروں کی سیاحت فرماتے، اور بکثرت

ملاقات اور اسکی تفصیل کے متعلق ادنیقی کی روایت مشکوک ہے، کیونکہ اس بارے میں مختلف روایتیں ہیں البتہ آخری جملہ اہم ہے، کیونکہ دیگر معتبر روایات سے اس کی مطابقت ہوتی ہے، اور یہی ہمارے موضوع سے متعلق ہے، سبب یہ ہے کہ مولینا حضرت شمس کی جدائی سے نہایت مضطرب الحال تھے، اور کثرت سے اس حال میں اشعار لکھے ہیں، جو درد فراق وجوش اضطراب کے ترجمان ہیں، اور دیوان میں اکثر پائے جاتے ہیں، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کلام مولینا کا ہے، مثلاً:-

ہجر شمس میں مولانا کی آنکھ خون ریز ہوگئی ہے:-

زہے چشم مرا حاصل شدہ آئین خونریزی ز ہجران خداوندی شمس الدین تبریزی

مولانا شب و روز شمس ہی کی جستجو میں بے قرار رہتے ہیں:-

اندر طلب تو شمس تبریز، تا کشتہ شود ہمہ معانی،

اپنے خون جگر کو صورت شعر میں ظاہر کرتے تھے،

خون میشود مشک از شعر رنگے می دہم نافہ خون آلود گردد جامہ خون آلایئے

مدینة العلوم کی شہادت کا ماخذ ایک اور مشہور عربی تذکرہ الجواہر المضیہ [1] | الجواہر المضیہ ابن عبد القادر قبل ۷۷۵ھ

فی طبقات الحنفیہ ہے، اس کا مؤلف مولینا کا قریب العہد تذکرہ نویس ہے، کچھ حصہ حذف کرکے تقریباً لفظاً لفظاً اس

[1] الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ جزء ثانی ص۱۲۳، ۱۲۴، ۵ - ا تالیف شیخ الامام محدث محی الدین ابی محمد عبد القادر

تذکرہ سے یہ بیان اخذ کیا گیا ہے، ملاحظہ ہو، اس میں بہ عنوان رومی یہ عبارت درج ہے:

کان عالمًا بالمذهب واسع الفقه عالمًا بالخلاف وبانواع من العلوم ...... مات فی خامس جمادی الآخرة سنة اثنتين وسبعين وستمائة ثم ان الشيخ جلال الدين انقطع وتجرد وهام وترك الدنيا والتصنيف والاشتغال وسبب ذلك انه كان يومًا جالسًا فی بيته، وحوله الكتب والطلبة. فدخل عليه الشيخ شمس الدين التبريزی الامام الصالح المشهور فسلم وجلس وقال للشيخ ماهذا واشار الی الكتب والحالة التی هو عليها فقال له، مولانا جلال الدين. هذا لاتعرفه. فما فرغ الشيخ جلال الدين من هذا اللفظ الا والنار عمالة فی البيت

مذہب کے ماہر اور فقہ پر وسیع نظر رکھتے تھے، انہیں خلافیات اور دیگر مختلف علوم میں تبحر حاصل تھا...... ۶۷۲ھ میں واصل بحق ہوئے، انھوں نے انقطاع تعلق، یکسوئی اور تجرد اختیار فرمایا، تصنیف اور دیگر مشاغل ترک کر دیئے، باعث اس کا یہ ہوا کہ وہ ایک دن گھر پر بیٹھے ہوئے تھے، ان کے اطراف میں کتب اور طلبہ کا حلقہ تھا، حضرت شیخ شمس تبریزی تشریف فرما ہوئے، سلام کے بعد بیٹھ گئے، شیخ رومی سے ان کی کتابوں اور شغل کی طرف اشارہ کر کے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ مولانا جلال الدین نے جواب دیا، کہ آپ ان چیزوں کو نہیں جانتے، مولینائے رومی ابھی یہ الفاظ پورے بھی نہ کرنے پائے تھے کہ گھر اور کتابوں میں آگ لگ گئی، مولانا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰) ابن ابی الوفا محمد قرشی حنفی مصری (ولادت ۶۹۶ھ وفات ۷۷۵ھ) یہ مولانا کے قریب العہد تذکرہ نویس ہیں، کیونکہ مولانا کا وصال ۶۷۲ھ میں ہوا، مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن،

والکتب فقال مولانا جلال الدین	جلال الدین نے شیخ تبریزی سے استفسار
للتبریزی ماھذا فقال له التبریزی	فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ حضرت نے فرمایا تم اسے
ھذا لا تعرفه ثم قام وخرج من	نہیں سمجھ سکتے، پھر وہ اٹھ کھڑے ہوئے، اور
عنده فخرج الشیخ جلال الدین	وہاں سے روانہ ہو گئے، پھر تو شیخ جلال الدین
علی قدم التجرید وترك اولاده	نے بھی تجرید کی راہ اختیار کی اور اولاد،
وحشمه ومدرسته وساح	حشم وخدم اور مدرسہ سے قطع تعلق کرلیا،
فی البلاد وذکر اشعار کثیرة،	مختلف شہروں کی سیاحت فرماتے، اور کثرت

یہاں بھی قابلِ توجہ یہی امر ہے، کہ مولینا شمس الدین کی جدائی کے بعد بے انتہا مضطرب ہوئے، اور اس مضطربانہ حال میں کثرت سے اشعار فرماتے رہے، (وذکر اشعار کثیرة) دیوان شمس تبریزین کثرت سے ایسے اشعار ملتے ہین، جس مین "دیوانہ روئے شمس" نے شمس کی جدائی اور فراق کے صدمہ کا طرح طرح سے ذکر کیا ہے، یہ کھلی دلیل ہے کہ یہ اشعار یا یہ مجموعۂ کلام شمس کا نہیں، بلکہ شمس کے واحد معلوم ومشہور عاشق مولینا کا ہے، چنانچہ اشعار ملاحظہ ہون تاکہ واقعاتِ حیات سے انکی مطابقت ہو جائے،

جانِ ما را باز بین اے خواجہ شمس دین — زان کہ ما ہستیم و عالم جملگی در کار مست،

حضرت شمس کی واپسی کے خیال پر سرور کا اظہار فرماتے ہین، ؎

چو باز آید بسوئے من ز تبریز، — از ان حضرت رخش چو ماہتاب است،

اس سلسلے میں ساقی سے مخاطب ہو کر فرماتے ہین، ؎

مکن تاخیر از بہر (کبابے) شرابے[1]، — کہ دلہا در فراق او کباب است،

بعض تذکرے ایسے ہین کہ ان میں کوئی واضح بیان تو موجود نہیں، لیکن صرف بطور نمو

---

[1] غالباً شرابے ہوگا،

بعض اشعار درج ہین،

مولینا کے حالات مین لکھا ہو کہ جب سلطان العلما بہاء الدین وطن چھوڑکر جانے لگے، تو دوران سفر مین حضرت شیخ عطار سے ملاقات ہوئی، مولینا کم عمر تھے، لیکن شیخ عطار نے اپنی کتاب "اسرار نامہ" تحفہ دی، اور مولینا سے فرمایا:-

روزے[۵۱] باشد کہ این پسر آتش در سوختگان عالم بزند"

مولانا نے سنائی اور عطار سے معنوی اور ادبی فیض پایا، جس کا مختلف مقامات مین ذکر فرماتے ہین، مثلاً:- ؎

عطار روح بود و سنائی دو چشم او ‏ ‏ ما از پے سنائی و عطار آمدیم،

مولوی محمد قیام الدین عرف قاضی خان اپنے تذکرہ حقائق[۵۲] الاولیا، (۱۱۵۴ھ) مین مولینا پر حضرت عطار کا ذکر کرتے ہوئے بیان فرماتے ہین،:-

"این روایت از کلام فصاحت انجام ایشان ظاہر می گردد کہ فرمودہ اند" بیت،

گر دعطار گشت مولینا ‏ ‏ شربت از دست شمس بود ش نوش

(دیوان شمس تبریز نولکشور، ردیف ش)

اس سلسلہ مین دوسرا تذکرہ ہفت[۵۳] اقلیم (۱۰۲۳ھ) ہے، جس کے مؤلف امین احمد رازی ہین بعنوان "در ذکر مولینا" انھون نے مندرجۂ ذیل تمہید کیساتھ اشعار درج کئے ہین،

"بیتے چند جہت انبساط خاطر افسردہ دلان واندمال جراحت خستگان آوردہ شد"،

دیوان	تذکرہ
اے شاہ جسم و جانِ ما خندہ کن دندانِ ما	اے شاہ جسم و جان ما خندہ کن دندان ما

---

[۵۱] تذکرہ دولت شاہ سمرقندی [۵۲] قلمی نسخہ ۱۱۵۴ھ کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن [۵۳] ہفت اقلیم و اقلیم چہارم قلمی کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن سنہ تصنیف ۱۰۲۳ھ ص ۲۳۴،

سرمہ کش چشمان ما اے چشمہارا توتیا | سرمہ کش چشمان ما اے چشمہارا توتیا
ماگوئی سرگردان تو اندر خم چوگان تو | ماگوئی سرگردان تو اندر خم چوگان تو
گو خوانیش سوے طرب گر رانیش سوے بلا | گر خوانیش سوے طرب گر رانیش سوے بلا

آیا کہ عشق نداری ترا رواست بخسپ | ترا کہ عشق نداری ترا رواست بخسپ
برو کہ عشق و غم او نصیب ماست بخسپ | برو کہ عشق و غم او نصیب ماست بخسپ
بنمائے ارخ کہ باغ و گلستانم آرزوست | بنمائے رُخ کہ باغ و گلستانم آرزوست

تا نفس خیال دوست باماست، | یکے نقش خیال دوست باماست،
مارا ہمہ عمر خود تماشا نست، | مارا ہمہ عمر خود تماشا نست،

ان کے علاوہ اور بھی اشعار ہیں، لیکن دیوان کے موجودہ نسخوں میں نہیں پائے جاتے، جیسا کہ اوپر ظاہر کیا گیا ہے تذکرہ کے یہ اشعار مولانائے روم کے "دیوان شمس" میں پائے جاتے ہیں، ان سے ثابت ہوتا ہے کہ دیوان شمس تبریز مولانا کے کلام کا مجموعہ ہے،

مرأة الخیال (۱۱۰۲ھ) سے ہمارے دعوے کی حقیقت بالکل آئینہ بن جاتی ہے، اسکے مؤلف تذکرہ شیر خان لودھی ہیں "عنوان رومی" کے تحت لکھتے ہیں:-

"من اشعارہ اللطیفۃ القدسیۃ

تذکرہ	دیوان
اے شاہ جسم و جان ما خندان کن دندان ما	سرمہ کش چشمان ما اے چشم جان را توتیا
	اے شاہ جسم و جان ما خندان کن دندان ما
	سرمہ کش چشمان ما اے چشم جان را توتیا
ماگوئی سرگردان تو اندر خم چوگان تو	ماگوئی سرگردان تو اندر خم چوگان تو

گہ خوانیش سوے طرب گہ رانیش سوے بلا، | گہ خوانیش سوے طرب گہ رانیش سوے بلا
گہ جانبِ خوابش کشی گہ سوے آسایش کشی | گہ جانبِ خوابش کشی گہ سوی آسایش کشی
گہ جانبِ شہرِ بقا گہ جانبِ دشت فنا، | گہ جانبِ شہرِ بقا گہ جانب دشت فنا.
(تذکرہ مراۃ الخیال) | (دیوانِ شمس تبریزی لکھنؤ)

بعض اشعار ایسے ہین جنھین مختلف تذکرہ نویسون نے اپنے اپنے تذکروں میں درج کیا ہے، یہ غزل بھی اسکی ایک مثال ہے، ہفت اقلیم میں بھی یہ اشعار ہین، اگرچہ مختلف اصحاب نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق اشعار انتخاب کئے ہین، یہ بھی ایک دلیل ہے، جو ہمارے اس دعوی کو ثابت کرتی ہے، کہ "دیوان شمس تبریز" درحقیقت مولینا ہی کے مجموعۂ کلام کا نام ہے،

ابتک ہم نے جو بحث اوپر کی، وہ دو طرح کی تھی، ایک تو یہ کہ اولیائے کرام اور شعراء کے تذکرہ نویسون کے واضح اور صاف بیانات کی روشنی میں یہ ثابت کیا ہے کہ دیوان شمس تبریز مولینا ہی کے کلام کا مجموعہ ہے، دوسری یہ کہ بعض تذکرون میں اسکی وضاحت تو نہیں لیکن انھون نے عنوان رومی اور ذکر رومی کے تحت مثالاً چند شعر لکھدئے ہین، ہمنے یہ اشعار دواوین سے منتخب کرکے بالمقابل درج کر دئے، یہ بھی ہمارے دعوی کی ایک خاص دلیل تھی، لیکن یہ شعرا اور اولیا کے عام تذکرے تھے، اب ہم مولینا روم کے خاص حالات کی طرف متوجہ ہوتے ہین جو انہی کے وابستگان دامن سعادت نے لکھے ہین، انمیں کہیں اس نوعیت کا بیان تو نہیں ہے کہ مولینا نے اشعار حضرت شمس کے نام سے لکھے ہیں، کیونکہ یہ دراصل واقعہ ہی نہ تھا، مولینا شمس کے نام سے نہیں لکھتے تھے، بلکہ حضرت شمس کا ذکر مختلف طریقون سے کرتے تھے، اور انکے اسرار کی ترجمانی فرماتے تھے، اسکے علاوہ دیگر شعرا کی طرح غزل میں اپنا تخلص لکھنے کا کوئی خیال تھا نہ اہتمام، صرف انہی اسباب سے یہ کلام بعد میں حضرت شمس کی طرف منسوب ہوگیا اور دیوان جو بعد کو مرتب ہوا، اور مدت دراز کے بعد طبع ہوا، دیوان شمس تبریز کے نام سے شائع ہوا، اور غلط فہمی بھی عام ہوئی البتہ ان تذکرہ نویسون نے مولینا کی غزل گوئی کا تذکرہ خوب کیا ہے اور کثرت سے

اپنے تذکرہ میں مولانا کی مثنوی اور غزلیات کے اشعار درج کئے ہین آگے چل کر ہم ان اہم تذکرون کے اشعار ذیل میں درج کرین گے، اور انکے مقابل دیوان کے اشعار لکھدین گے جس سے صاف ظاہر ہوجائے گا کہ دیوان شمس تبریزؒ مولینائے روم کے اشعار ہی کا مجموعہ ہے،

دوخاص دلائل، ہمنے ابھی بیان کیا کہ اس بحث کے متعلق ان تذکروں میں کوئی واضح بیان نہیں، ان اہل صحبت تذکرہ نویسون کا اس مسئلہ میں خاموش ہونا ہی اس دعوی کی ایک ضمنی شہادت ہے کہ اس عہد میں یہ خطرہ ہی محسوس نہ ہوا تھا کہ کبھی یہ کلام حضرت شمس کا سمجھا جائیگا، کیونکہ وہ صاف دیکھتے تھے کہ اسمیں تو حضرت شمس کی مدح اور انکا مخلصانہ تذکرہ ہے اگر ایسا ہوتا تو وہ ضرور تشریح کرتے کہ یہ دیوان شمس کا نہیں بلکہ مولینا کا ہے، وہ مولینا کے دیوان کو مولینا ہی کا سمجھتے رہے، اور کوئی دوسرا وہم انکے سامنے نہ تھا،

دوسرا پہلو خاص توجہ کا مستحق ہے وہ یہ ہے کہ افلاکی سپہ سالار اور سلطان ولد وغیرہ نے اپنے اپنے تذکرون اور کتابون میں مولینائے روم اور ان سے متعلق بزرگان دین کے احوال تفصیل سے لکھے ہین ان لوگون نے نہ صرف انکے حالات بلکہ مناقب ومدارج بھی بیان کئے ہین،

انمیں جو شعراء تھے انکے مشغلہ شعر کا ذکر کیا ہے چنانچہ مولینائے روم اور سلطان ولد کے حال میں انکی شاعری کا تفصیلی ذکر ہے ان کے ہر قسم کے اشعار موقع بموقع درج کئے ہین اسی طرح شمس کا بھی حال لکھا ہے اور ایک مستقل باب باندھا ہے[1] لیکن عجیب بات یہ ہے کہ ان میں سے کسی نے حضرت شمسؒ کی شاعری کا ذکر تک نہین کیا، حالانکہ تذکرہ نویسون میں سلطان ولد اور سپہ سالار[2] بھی ہیں جو حضرت شمس کے دیکھنے والے انکے حالات سے واقف اور انکے معتقد اور کمالات کے معترف ہیں اگر حضرت شمس شاعر ہوتے تو وہ ضرور اسکا تذکرہ کرتے اور جیسے اونھون نے دوسروں کے حالات میں کیا ہے انکے اشعار درج کرتے یہ ممکن نہیں کہ شمس اسقدر پرگو شاعر ہون جیسے دیوان سے ظاہر ہوتا ہے، اور خاص معتقد تذکرہ نویس اسکا ذکر تک نہ کرین اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت شمس شاعر ہی نہ تھے اور انکا کوئی کلام نہ تھا، جو کلام ان کی طرف منسوب ہوگیا ہے وہ مولینائے روم ہی کا ہے کیونکہ انکے اشعار مختلف طور پر تذکرون میں ہین، جو دیوان شمس تبریزؒ میں بھی ملتے ہین،

[1] مناقب العارفین [2] سپہ سالار ذکر خلفاء حضرت شمس،

مناقب العارفین کی شہادت، اس سلسلہ کو ہم مناقب العارفین[1] (۷۱۸ھ) سے شروع کرتے ہیں، اسکے مصنف شمس الدین افلاکی ہیں، جو دو واسطون سے مولانا کے سلسلہ میں شامل ہوتے ہیں، یعنی یہ چلپی عارف کے مرید اور مولانائے روم کے دیکھنے والے اور صحبت یافتہ ہیں، سنہ تالیف ۷۱۸ھ ہے، افلاکی نے اس تذکرہ میں مختلف مواقع پر مولینا کے اشعار لکھے ہین، بعض مقامات پر اسکی صراحت ہی، اور بعض مقامات پر اشعار کی تصریح درج ہی، اشعار مثنوی کے بھی ہین، اور غزلیات کے بھی، مثلاً مثنوی کے اشعار یہ ہین،

از خدا خواہیم توفیقِ ادب، بے ادب محروم گشت از فضلِ رب
بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد، بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد،

لکھتے ہین، ؎

"روزے درمعنی این بیت معرفت می فرمود"

چون چنین خواہد خدا خواہد چنین، می دہد حق آرزوے متقین،
ہمنشین مقبلان چو کیمیاست، چون نظر شان کیمیائی خود کجاست،
آن دلے کز آسمانہا برتراست، آن دلے ابدال یا پیغمبراست،
مسجدے کان در درونِ اولیاست، سجدہ گاہے جملہ است آنجا خداست،

دست را مسپار جز در دستِ پیر، حق شدست آن دست او را سخت گیر
ہرکہ اندر عشق یابد زندگی، کفر باشد پیشِ او جز بندگی،
گر نہ بودی نوح را از حق یدی، او جہانے را چرا برہم زدی،
معنی قرآن ز قرآن پرس بس، وز کسی کاتش زدست اندر ہوس،
گرچہ قرآن از لبِ پیغمبراست، ہرکہ گوید حق نہ گفت او کافراست

---

[1] مناقب العارفین سنہ تالیف ۷۱۸ھ،

خاصہ آن آواز از خود شہ بود، گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود،

نے حدیث راہ پر خون می کند قصہ ہائے در د مجنوں می کند،

باکہ گویم چون ندارد گوش جان بھر گوش است اے امیر این خوش بیان

من شدم عریان زمن او از خیال می خرامم در نہایات الوصال

ہر کہ اندر وجہ او باشد فنا کل شئی ہالک نبود جزا،

(ص ۳۰۳)

اسی طرح مختلف مقامات پر غزلیات کے اشعار بھی لکھے ہین، ذیل مین ایک طرف یہ اشعار مع تصریح محل بیان تذکرہ سے درج کئے جاتے ہین، اس کے مقابل دیوان سے اشعار لکھے جاتے ہین جس سے صاف طور پر اس امر کی شہادت ملجائے گی، کہ دیوان شمس تبریز مولینا کا کلام ہے، نسخون[۱] کے اختلاف کو بھی نمایان کر دیا گیا ہے،

دیوان شمس تبریز	مناقب العارفین[۲]
جزو درویشند جملہ نیک و بد،	جزو درویشند جملہ نیک و بد،
گر نباشد این چنین درویش نیست	(م ص۱۱) ہر کہ نبود او چنین درویش نیست
(کلیات شمس تبریز مطبع نولکشور ص۱۵۹)	
ہیچ می دانی چہ می گوید رباب،	م ہیچ می دانی چہ می گوید رباب،
ز اشک چشم وز جگر ہائے کباب،	(م ق ص۱۱۳) ز اشک چشم و در جگر ہائے کباب،
(دیوان شمس تبریز مطبوعہ لکھنؤ ص۴۴)	

[۱] ن سے مراد نسخون کا اختلاف ہے، بعض جگہ یہ اختلاف نسخون کا نہیں، بلکہ کتابت اور خرابی طباعت سے پیدا ہو گیا ہے، [۲] تذکرہ مناقب کے بھی کئی نسخے میرے پیش نظر ہے، اور یہ سب کتبخانہ آصفیہ کے ہین،

صاحبِ مناقب[1] لکھتے ہیں کہ مجلسِ سماع میں مولینا نے یہ غزل پڑھی،

مرا اگر تو ندانی بہ پرس از شبہا — چو عشق را تو ندانی بہ پرس از شبہا

ق م ص۱۲۳ بپرس از رخ زرد وز خشکئ لبہا — بپرس از رخ زرد وز خشکئ لبہا (ک ۸۸)

ایک رات مولینا نے شیخ بدر الدین تبریزی کیمیا ساز کو ہدایت فرمائی کہ کوشش کرو کہ وجود کا تانبا سونا ہوجائے، بلکہ گوہر اور وہ بھی باعظمت! پھر یہ شعر پڑھا،

عیسی مست را ز زر کند ور زر بود گوہر کند
گوہر بود بہتر کند بہتر ز ماہ و مشتری
(م ق ص ۱۳۰)

عیسی مست را ز زر کند ور زر بود گوہر کند
گوہر بود بہتر کند بہتر ز ماہ و مشتری
(ک ۸۶۸)

بزیر عشق مرا گفت من ہمہ نازم،
ہمہ نیاز شو آن لحظہ کہ ناز کنم،
چون ناز را بگذاری ہمہ نیاز شوی
من از برائے تو خود را ہمہ نیاز کنم
(م ص ۱۲۱)

بزیر عشق مرا گفت من ہمہ نازم
ہمہ نیاز شو آن لحظہ کہ ناز کنم،
چون ناز را بگذاری ہمہ نیاز شوی
من از برائے تو خود را ہمہ نیاز کنم
(ک ۵۷۰)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۸) ایک قلمی نسخہ ہے، ایک اردو ترجمہ مناقب بھی ہے، ایک آگرہ کا مطبوعہ فارسی نسخہ ہے، میں نے اشعار زیادہ تر اسی آخری فارسی نسخے سے منتخب کئے ہیں لیکن ابتدا میں چند اشعار قلمی نسخہ اور ترجمہ سے بھی لئے گئے ہیں، چونکہ اشعار کے متعلق ماخذ کا حوالہ دینا ضروری ہے، اسلئے ہر جگہ نام کا تفصیلی اندراج طولِ عمل ہے، اسوجہ سے میں نے خاص نشانات سے کام لیا ہے، جسے یہاں درج کئے دیتا ہوں، "ق م" سے مراد قلمی نسخہ مناقب ہے، اور صرف "م" سے مراد مناقب فارسی مطبوعہ نسخہ آگرہ ہے، سنہ طباعت ۱۸۹۷ء اسی طرح مقابل میں "د" سے مراد دیوان شمس تبریز مطبوعہ لکھنؤ ہے، اور "ک" سے مراد کلیات شمس تبریز نسخہ مطبوعہ منشی نولکشور ہے، "ص" سے مراد صفحہ ہے، انکے علاوہ اور نسخوں سے اشعار لئے گئے ہیں، توان کا تفصیلی حال درج کردیا جائے گا،

[1] اشعار کے محلِ وقوع کے متعلق سارے تشریحات مناقب ہی سے لئے گئے ہیں،

ما قصر چار طاق درین عرصۂ فنا،	ما قصر چار طاق دریں عرصۂ فنا،
چون عاد چون ثمود مقرنس نمی کنم،	چون عاد چون ثمود مقرنس نمی کنم،
جز صدر و قصر عشق دران ساحت خلود	جز صدر و قصر عشق دران ساحت خلود
چون نوح چون خلیل مؤسس نمی کنم	چون نوح چون خلیل مؤسس نمیکنم
(م ص ۱۴۳)	(ک ۵۶۶)

ایک خادم نے عرض کی کہ عجیب بات ہے کہ اس روز آپ باجو خان کے لشکر سے نہیں ڈرے فرمایا
خداوندگار ما رسول اللہ علیہ وسلم پہلوان عظیم بوده است .... پھر یہ قصیدہ پڑھا،

مناقب العارفین	دیوان شمس تبریز
من این ایوان نہ تو را نمیدانم،	من آن افلاک نہ تو را نمیدانم
من این نقاش جادو را نمیدانم،	من این نقاش جادو را نمیدانم
بدستم بر یقے آمد ازان خان ہمہ خانان	بدستم بر یقے آمد ازان خان ہمہ خانان
من این باجو و باتو را نمیدانم	کہ من خود خان بجز او را نمیدانم
(م ص ۱۵۶)	(د ص ۱۳۲، ۱۳۳)

اہم روایت، "اصحاب عظام روایت کردند کہ ملک شمس الدین ملک ملک شیراز بود رقعۂ بخدمت اعذب الکلام شیخ سعدی علیہ الرحمۃ والغفران اصدار کردہ استدعا نمودہ کہ غزلے غریب کہ محتوی بر معانی عجیب باشد، ازان ہر کہ باشد بفرستی تا غذائے جان خود سازم شیخ سعدی غزل نو ازان حضرت مولینا کہ دران ایام بشیراز بردہ بودند و خلق بکلی ربودۂ آن شدہ بنوشت و ارسال کرد، و آن غزل اینست"،

ہر نفس آواز عشق میرسد از چپ و راست	ہر نفس آواز عشق می رسد از چپ و راست

ما بفلک می رویم عزم تماشا کراست	ما بفلک می رویم عزم تماشا کراست
ما بفلک بوده ایم یار ملک بوده ایم	ما بفلک بوده ایم یار ملک بوده ایم،
باز ہمانجا رویم کہ آن شہر ماست	باز ہمانجا رویم کہ آن شہر ماست
ما ز فلک برتریم وز ملک افزون تریم	خود ز فلک برتریم وز ملک افزون تریم
زین دو چرا نہ گذریم منزلِ ما کبریاست	زین دو چرا نہ گذریم منزلِ ما کبریاست
(الی آخرہ ص ۱۵۰-۱۵۹)	(دیوان ص ۶۳ مطبوعہ سنہ ۱۳۲۶ھ)

شیخ بہ فخر النسا (ان کا ارادہ حج کا تھا) فرمود کہ باین نگاہ کن کہ مقصود حاصل شدہ است.... می بیند کہ کعبہ معظم بر بالائے مولانا طواف می کند.... فخر النسا شہقہ بزد چون بہوش آمد.... ہمانا حضرت مولانا این غزل را از سر نو آغاز فرمود،

کعبہ طواف می کند بر سر کوئے یک بتے،	کعبہ طواف می کند بر سر کوئے یک بتے
این چہ بتے ست ایخدا این چہ بلا و آفتے	ایں چہ بتے ست اے خدا این چہ بلا و آفتے
ماہ درست پیش او قرص شکستہ بستہ	ماہ درست پیشِ او قرص شکستہ بستہ
بر شکرش نباتہا چون مگسے ست زحمتے	بر شکرش نباتہا چون مگسے ست زحمتے
جملہ ملوک راہ دین جملہ ملائکِ امین	جملہ ملوک راہ دین جملہ ملائکِ امین
سجدہ کنان کہ اے صنم بہر خدائے رحمتی	سجدہ کناں کہ اے صنم بہر خدا اے رحمتی
اہلِ ہزار بحر و کف گوہر عشق را صدف	اہلِ ہزار بحر و کف گوہر عشق را صدف
زان سوئے عزت و شرف سخت بلند ہمتے	زان سوئے عزت و شرف سخت بلند ہمتے
اے تبریز مرحمت شمس ہزار مکرمت	اے تبریز مرحمت شمس ہزار مکرمت
گشتہ سخن بسوصفت پر نم بے نہایتے	گشتہ سخن بسوصفت پر نم بے نہایتے
(ص ۱۴۱)	(ل ص ۸۸۴-۸۸۵)

اہم تنبیہ، مولینا کی غزلیات کے متعلق غلط فہمی کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہو کہ اکثر غزلوں کے آخر میں عام طریقہ کے مطابق مولینا کا تخلص نہیں ہوتا، بلکہ اکثر شمس کا نام ہوتا ہے، لیکن یہ شبہہ اس غزل کو دیکھ کر بالکل رفع ہوجاتا ہے، کیونکہ اس غزل کے مقطع میں بھی مولینا کا تخلص نہیں، بلکہ حضرت شمس ہی کا نام نامی ہے، لیکن ان کی مدح میں یہی حال دیوان کی اور غزلوں کا بھی ہے، لیکن صاحب تذکرہ نے تمہیداً تصریح کردی ہے، کہ یہ غزل مولینا کی ہے، اور وہ کس موقع پر پڑھی گئی، اور کس طرح اس موقع پر فی البدیہہ کہی گئی، اس کی اور مثالیں ہیں، دیوان دیکھو تو اس میں بھی یہی رنگ ہو، جس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں، کہ مقطع غزل میں شمس کا نام ہونیکے باعث اس امر میں شبہہ نہ کرنا چاہئے کہ وہ مولینا کا کلام نہیں،

لکھا ہے کہ ایک موقع پر اہلِ ارادت ساتھ تھے، مولینا کے طفیل ان پر پتھر جو ذکر تسبیح کرتے ہیں (سبوح قدوس) اسکا انکشاف ہوا، مولانا نے یہ غزل فرمائی، (م ۲۲۲)

مناقب العارفین	دیوان
دل چو دانہ، ما مثال آسیا،	دل چو دانہ، ما مثالِ آسیا،
آسیا کے داند این گردش چرا،	آسیا کے داند ایں گردش چرا،
تن چو سنگ و آب او اندیشہا	تن چو سنگ و آبِ او اندیشہا،
سنگ گوید آب داند ماجرا	سنگ گوید آب داند ماجرا
ماجرا بسیار خواہد شد خموش	ماجرا بسیار خواہد شد خموش،
از خدا واپرس تا گوید ترا،	از خدا واپرس تا گوید ترا،
(م ص ۲۲۲)	(ک ۰۰)

افلاکی ایک دن کا حال لکھتے ہیں "از پئے سماع شد و این غزل از سر آغاز کرد و گفت" (م ۲۵۱)

گر حریف منی پس بگو کہ درش چہ بود   گر حریف منی پس بگو کہ درش چہ بود،

میانِ این دل وآن یارِ مے فروش چہ بود	میان این دل وآن یارِ مے فروش چہ بود
اگر بچشم بدیدی جمالِ ماہ ہمدوش	اگر بچشم بدیدی جمالِ آن ہمدوش
مرا بگو کہ دران حلقہائے گوش چہ بود	مرا بگو کہ دران حلقہائے گوش چہ بود
اگر تو بامن ہم خرقہ وہم رازی	وگر تو بامن ہم خرقہ وہم رازی
بگو کہ صورتِ آن شیخ خرقہ پوش چہ بود	بگو کہ صورتِ آن شیخ خرقہ پوش چہ بود
اگر فقیری وناگفتہ رازی شنوی	اگر فقیری وناگفتہ رازی شنوی
بگو اشارت آن ناطقِ خموش چہ بود	بگو اشارتِ آن ناطقِ خموش چہ بود
(م ص ۲۵۲)	(ک ۳۱۹)

مولینا ہمین غزل راازسرآغاز فرمود،

صلا یا ایہا العشاق کان مہ رو بکار آمد	صلا یا ایہا العشاق کان مہ رو بکار آمد
میان بندید عشرت راکہ یار اندر کنار آمد	میان بندید عشرت راکہ یار اندر کنار آمد
(م ص ۲۹۳)	(ک ۳۰۶)

افلاکی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ مولانا نے ایک ہفتہ چلہ کشی فرمائی اسکے بعد احوال دل کی ترجمانی فرمانے لگے، "از خزینۂ دل اسرار و معانی فرمودن گرفت واین غزل راازسرآغاز کرد"،

باز آمدم باز آمدم تا وقت راہمیون کنم	باز آمدم باز آمدم تا وقت راہمیون کنم
باز آمدم باز آمدم تا در دعشق افزون کنم	باز آمدم باز آمدم تا در دعشق افزون کنم
باز آمدم باز آمدم تا بہر بیماران دل	باز آمدم باز آمدم تا بہر بیمارانِ دل
از اشک چشم وآہ شب وازخون دل معجون کنم	از اشک چشم وآہ شب وازخونِ دل معجون کنم
باز آمدم باز آمدم تا سوز درد وعشق را	باز آمدم باز آمدم تا سوز و درد عشق را

در گوشہائے دل نہم در گنج سر مدخون کنم　　در گوشہائے دل نہم در گنج سرمد خون کنم

(م ص ۱۹۰)　　(دیوان شمس تبریز ص ۱۹۰)

ایک روز پروانہ کے مکان پر سماع کی محفل تھی معین الدین پروانہ کچھ دیر آرام کی خاطر سو گئے حضرت مولینا بیتاب تھے،

حضرت مولانا درحالتِ چرخی کہ چرخ ۂ افلاک حیران چناں چرخ گشتہ بود، غزل از سر آغاز فرمود و گفت، (م ۳۲۰ ۳۲۰-۳۶۰)

گر نہ خُسپے شبکے جان چہ شود،　　گر نہ خسپے شبکے جان چہ شود،
ور بکو بی درِ ہجران چہ شود،　　ور بکو بی درِ ہجران چہ شود،
ور بیاری شبکے روز آری،　　ور بیاری شبکے روز آری،
از برائے دلِ یاران چہ شود　　از برائے دلِ یاران چہ شود،
ور سلیماں سوے موران آمد　　ور سلیماں سوے موران آمد،
تا شود مور سُلیمان چہ شود،　　تا شود مور سلیماں چہ شود،
ور دو دیدہ ترا روشن گردد،　　ور دو دیدہ بتو روشن گردد،
کورئ دیدۂ شیطان چہ شود،　　کوری دیدۂ شیطاں چہ شود،

(م ۳۲۰-۳۲۸)　　(ک ۲۹۶)

افلاکی حالتِ مرگ کے قریب کا حال لکھتے ہیں، کہ حضرت مولینا این غزل را از سر آغاز کردہ میگفت و جمیع اصحاب جامہ دران نعرہ زنان فریاد می کردند،

چہ دانی تو کہ در باطن چہ شاہی ہمنشیں دارم　　چہ دانی تو کہ در باطن چہ شاہی ہمنشیں دارم
رُخ زرین من منگر کہ پائے آہنین دارم　　رُخ زرین من منگر کہ پائے آہنین دارم (باقی)

(م ۳۴۹)　　(ک ۲۳۲)

ایک اور اہم روایت

اور

سپہ سالار کی شہادت

ایک اہم روایت | ایک اہم روایت ملاحظہ ہو:۔

"روزے مولانا فرمود کہ علمائے ظاہر واقف اخبار رسول اند، وحضرت مولینا شمس الدین واقف اسرار رسول است"

شمس تبریزی توئی واقفِ اسرار رسول   شمس تبریزی توئی واقفِ اسرار رسول
نامِ شیریں تو ہر دل شدہ را درمان باد   نامِ شیریں تو درد مہ را درمان باد

اس شعر میں بھی خصوصیت یہ ہے، کہ حضرت شمس کا نام ہے لیکن بطرز خطاب، ایسا بھی ہوتا ہے کہ شاعر کبھی غیر فرض کرکے اپنے آپکو بھی مخاطب کرتا ہے، جسکو صنعت تجرید کہتے ہیں لیکن یہاں صورت حال ایسی نہیں ہے، کیونکہ تصریح موجود ہے کہ مولانا نے ایک دن حضرت شمس کی فضیلت ظاہر کرنیکے لئے یہ شعر فرمایا، ایسے ہی کثیر اشعار دیوان میں ہیں جنمیں حضرت شمس کو مختلف طریقہ سے مخاطب کیا گیا ہے، ان سے یہ سمجھنا کہ یہ حضرت شمس ہی کی شاعرانہ تعلی ہے، غلط ہے، پہلے تو ان کی نوعیت ہی ایسی نہیں، کیونکہ ان اشعار میں مدح کی نوعیت ایسی ہے، جیسے کوئی دوسرا بے انتہا معتقد مدح کرتا ہے، دوسرے اشعار اس کثرت سے ہیں، کہ صرف شاعرانہ تعلی کے تحت کوئی شاعر اپنی مدح اس کثرت سے نہیں کرتا،

جب تذکرہ کا شعر دیوان میں بھی ملتا ہے، تو اس امر کی ایک قوی دلیل پیش نظر ہو گئی ہے کہ دیوان شمس تبریز مولینائے روم کے کلام کا مجموعہ ہے،

مناقب کے صفحہ ۲۲،۳ پر ہے:-

ریگ ز آب سیر شد من نہ شدم زہے زہے
لائق جز گمان من نیست درین جہان زہے
کوہ کمینہ لقمہ ام بحر کمینہ شربتم
من چہ نہنگم اے خدا باز کشا مرا زہے

ریگ ز آب سیر شد من نہ شدم زہے زہے
لائق جز گمان من نیست درین جہان زہے
کوہ کمینہ لقمہ ام بحر کمینہ شربتم
من چہ نہنگم اے خدا باز کشا مرا زہے

(ک - ۲۵۲)

رسالہ سپہ سالار کی شہادت، اس نوعیت کی دوسری شہادت رسالہ سپہ سالار میں ملتی ہے، رسالہ سپہ سالار مولینا کے حالات کا اصلی اور صحیح ماخذ ہے، حضرت فریدونؒ معروف بہ سپہ سالار مولینا کی صحبت میں چالیس برس تک رہے، اعتقاد وارادت بجد رکھتے تھے، انہی کا بیان ہے "خلاصۂ عمر خود را بہ ملازمت حضرت او مستغرق داشتم ونقش مہر ومحبتش را کالنقش فی الحجر صحیفۂ دل خویش نگاشتم اسلئے وہ لازماً کے محرم راز اور واقف اسرار تھے اونھوں نے مولینا کے وصال مبارک کے بعد طالبان حال کے لئے یہ رسالہ لکھا تھا، رسالہ شہرۂ آفاق ہے مولینا کے محامد اور مناقب میں اسے عدیم النظیر اور عدیم المثال سمجھا جاتا ہے، اس کے متعلق لکھا ہے،

"از تصانیف لطیفہ[۲]...... سیدی فریدون معروف بہ سپہ سالار قدس سرہ کہ از مخلص مریدان کاشف اسرار ازلی وشارح رموز ابدی حضرت مولوی معنوی رضی اللہ عنہ ہستند و چہل سالہ شبانہ روز در سفر وحضر وخلوت وجلوت پیوستہ ملازم صحبت کیمیا خاصیت حضرت مولینا روح اللہ تعالیٰ روحہ ماندہ وخدمتہا کردہ وفیضہا بردہ، ومورد مراحم خاصہ وتوجہات تامہ گشتہ وواقف اسرار ومحرم راز بودہ اند، آنچہ از انفاس قدسی، وکلمات وطیبات و حالات سامیہ وکوائف عالیہ وکرامات باہرہ درآیات ظاہرہ حضرت معنوی علیہ الرحمۃ والرضوان

[۱] سپہ سالار ص۲ کتبخانہ کلیہ جامعہ عثمانیہ، [۲] رسالہ سپہ سالار مطبوعہ محمود المطابع واقع کانپور مطبوعہ ۱۳۱۹ھ

بگوش خود از زبان مبارکش شنیده و بلا واسطہ استفاضہ نمودہ و بچشم خود دیدہ و مشاہدہ کردہ و معاینہ نمودہ در سلک تحریر در آوردہ اند، و بر شقہ تصویر سفینہ درین رسالہ جمع فرمودہ اند"

سپہ سالار کا بیان ہے کہ مولانا کے ایک مرید خاص نے اس کی تحریک کی، اسی بنا پر انھون نے چشم یقین کے مشاہدات کو قلمبند کیا، "بنا بر التماس آن عزیز ہر چہ این ضعیف بعین الیقین مشاہدہ کردہ باشد و در ایام این ضعیف از ان حضرت بوجود آمدہ، از آنچہ در گوشہ خاطرم ماندہ بود، در قلم آورد، (بیت)

درویش سخن از دیدہ گوید، عامے سخن از شنیدہ گوید"

افلاکی کی طرح سپہ سالار کی بھی یہی عادت ہے، کہ انھون نے بکثرت مولینا کی مثنوی اور دیوان سے مختلف مقامات پر اشعار لکھے ہین، لیکن ان کی خصوصیت یہ ہے کہ تقریبًا ہر جگہ انھون نے تصریح کر دی ہے، ہم سپہ سالار اور دیوان کے منتخب اشعار بالمقابل درج کرین گے، تاکہ اس دعویٰ کے ثبوت مین شک کی کوئی گنجایش باقی نہ رہے، کہ دیوان شمس تبریز مولانائے روم کا کلام ہے، البتہ کثرت تکرار کے باعث تصریحات سوائے ضروری مقامات کے اور مقامات پر حذف کر دیئے جائین گے،

مثنوی کے مندرجہ اشعار مین سے چند شعر یہ ہین،

حضرت خداوندگار[۲] می فرماید،

در پناہ جان جان بخشی توئی، خفتہ اندر کشتی و رہ میروی،
مگسل از پیغمبر ایام خویش، تکیہ کم کن بر فن و بر گام خویش،
چونکہ موسی رونق دور تو دید، کاندرو صبح تجلی می دمید،

[۱] سپہ سالار ص[؟] محمود المطابع کتبخانہ کلیہ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن، [۲] حضرت سپہ سالار اپنے مرشد طریق مولینا روم رحمۃ اللہ علیہ کو اکثر "خداوندگار" کے لقب سے یاد کرتے ہین، چنانچہ مولینا کے حالات میں جو فصل ہے اسکا عنوان یہ ہے "فصل اول در ذکر تاریخ ولادت و مدت عمر قدس اللہ العزیز کہ حضرت خداوندگار سلطان الاولیا در شہور سنہ اربع وستمائۃ ہجری قدم مبارک در عالم وجود نہاد"

ہر کرا اسرارِ کار آموختند	مہر کردند و زبانش دوختند

غزلیات کے اشعار درج ذیل ہیں:۔

سپہ سالار مولانا کے متعلق لکھتے ہیں: "بزبانِ خویش صفتِ حالِ خود بیان میفرماید"

رسالہ سپہ سالار	دیوان
بدان کہ پیر سراسر صفاتِ حق باشد	بدان کہ پیر سراسر صفاتِ حق باشد
اگر چہ پیر نماید بصورتِ بشری	اگر چہ پیر نماید بصورتِ بشری
(ص ۴ سپہ سالار)	(کلیاتِ شمس تبریز ص ۶۹۶)
جان من و جان ترا پیش ازین،	جانِ من و جان ترا پیش ازین،
سابقہ بود کہ گشت آشنا،	سابقۂ بد کہ شدند آشنا،
الفت امروز ازاں سابقہ است	الفت امروز از ان سابقہ است،
گرچہ فراموش شد آنہا ترا،	گرچہ فراموش شد آنہا ترا
(ص ۵)	(دیوانِ شمس تبریز لکھنؤ نسخہ ذاتی ص ۲۴)

حضرت خداوندگار میفرماید،

اے اولیائے حق را از حق جدا شمردہ	اے اولیائے حق را از حق جدا شمردہ
گر ظن نیک داری بر اولیا، چہ باشد	گر ظن نیک داری بر اولیا چہ باشد
(ص ۱۵)	(ک ۳۱۴)
یک حملۂ مردانہ مستانہ بہ کردیم	یک حملۂ مردانہ مستانہ بہ کردیم،

لہ ک سے مراد کلیاتِ شمس تبریز مطبوعہ منشی نولکشور کتب خانہ جامعہ عثمانیہ ہوگی، (د) سے مراد دیوان شمس تبریز مطبوعہ منشی نولکشور ۱۹۱۴ء۔

تا علم بدادیم بمعلوم رسیدیم	تا علم بدادیم و بمعلوم رسیدیم
با آیت کرسی سوئی عرش پریدیم	با آیتِ کرسی سوے عرش پریدیم،
(ص۱۱۱) تا جے بدیدیم و بقیوم رسیدیم	تا جے بدیدیم و بقیوم رسیدیم، (د۔ ۲۰۴)
ندارد پاۓ عشق او دل بے دست و بے پایم	ندارد تابِ عشق او دل بے دست و بے پایم
که روز و شب چو مجنونم سر زنجیر می خایم	که روز و شب چو مجنونم سر زنجیر می خایم،
میانِ خونم و ترسم که گر آید خیالِ او	میان خونم و ترسم که گر آید خیالِ او
بخونِ دل خیالش را ز بیخویشی بیالایم	بخون دل خیالش را ز بیخویشی بیالایم
ز شبهاۓ من حیران بپرس از لشکر پریان	ز شبهاۓ من حیران بپرس از لشکر پریان
که در ظلمت در آمد شد پریرا پائی میسایم	که در ظلمت از آمد شد پریرا پائی میسایم
همی گردد دل پاره همه شب هچو استاره	همی گردد دل پاره همه شب هچو استاره
شده خوابِ من آواره ز سحر یار خود رایم	شده خوابِ من آواره ز سحر یار خود رایم
رها کن تا چو خورشیدی قباۓ پوشم از آتش	رها کن تا چو خورشیدی قباۓ پوشم از آتش
دران آتش چو خورشیدی جهانے را بیارایم	دران آتش چو خورشیدی جهانے را بیارایم
اگر یکدم بیاسایم روانِ من نیاساید،	اگر یکدم بیاسایم روانِ من نیاساید
(ص۱۱۲) من آن لحظه بیاسایم که یک لحظه نیاسایم	من آن لحظه بیاسایم که یک لحظه نیاسایم (ک ۲۶۵)

در محل دیگر از بیان این حال اشارت می فرماید، قدس سره العزیز،

همه خفتند و من دل شده را خواب نبرد	همه خفتند و من دل شده را خواب نبرد

۱ مناقب اور سپہ سالار میں نہ صرف مولینا کے چیدہ چیدہ اشعار ہیں، جو دیوان شمس تبریز میں ملتے ہیں، بلکہ بعض پوری پوری غزلیں ہیں، اور بعض کسی غزل کے کئی کئی اشعار ہیں،

همه شب دیدهٔ من بر فلک استاره شمرد   همه شب دیدهٔ من بر فلک استاره شمرد

خوابم از دیده چنان رفت که هرگز نامد   خوابم از دیده چنان رفت که هرگز نامد

(۱۳۱) خوابِ من زهر فراق تو بنوشید و بمرد   خوابِ من زہر فراق تو بنوشید بمرد (ک ۲۹۶)

کلیاتِ شمس میں اس غزل کا مقطع یہ ہے:-

شمس تبریز کہ خورشید معانی گویم   معنی و صورتِ ما او بظهور می آورد

سپہ سالار کے بیان اور ان کے درج کئے ہوئے اشعار سے صاف ظاہر ہے، کہ یہ غزل مولینا روم کی ہے، "دیوان شمس" کو شمس تبریز کا کلام سمجھنے کی ایک بڑی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ مقطعوں میں مولینا کا نام آتا ہے، لیکن سپہ سالار کی اس مثال اور کلیات میں غزل کے اس مقطع سے ظاہر ہو گیا کہ ہمکو اس بنا پر ایسا سمجھنا چاہئے بلکہ یہ امر پوری قوت سے ثابت ہوتا ہے، کہ دیوان شمس تبریز مولینا روم کی غزلیات کا مجموعہ ہے، اگرچہ سپہ سالار نے تصریح نہیں کی، لیکن بعض سوانح نگاروں نے لکھا ہے، کہ ایک رات مولینا غلبہ حال سے آرام نہ فرما سکے، اس موقع پر یہ غزل فرمائی،

دیدہ خون گشت و خون نمی خسپد،   دیدہ خون گشت و خون نمی خسپد،

دلِ من از جنون نمی خسپد،   دلِ من از جنون نمی خسپد،

مرغ و ماہی زمن شدہ حیران،   مرغ و ماہی زمن شدہ حیران،

کین شب و روز چون نمی خسپد   کین شب و روز چون نمی خسپد

پیش ازین در عجب ہمی بودم،   پیش ازین در عجب ہمی بودم،

کاسمانِ نگون نمی خسپد،   کاسمانِ نگون نمی خسپد،

آسمان خود کنون زمن خیرہ است   این فلک خود کنون زمن خیرہ است

کہ چرا این زبون نمی خسپد   کہ چرا این زبون نمی خسپد

عشق بر من فسون اعظم خواند، عشق بر من فسون اعظم خواند،
جان شنید آن فسون نمی خسپد جان شنید آن فسون نمی خسپد
این یقینم شده است بیش ازمرگ این یقینم شده است بیش ازمرگ
کز بدن جان برون نمی خسپد کز بدن جان برون نمی خسپد
ہین خمش کن باصل راجع شو ہین خمش کن باصل راجع شو
(ص۱۱) دیدۂ راجعون نمی خسپد، دیدۂ راجعون نمی خسپد، (د-ص۷۱)

دیوان میں اس غزل کا مقطع یہ ہے :۔

از قضاہائے شمس تبریزی ذوفن ذو فنون نمی خسپد،

ایک اہم بحث، | بعض غزلون کے مقطعون میں تو حضرت شمس کا نام اس مداحانہ طرز میں آتا ہے، کہ صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شمس کا کلام نہیں، جیسا ہم نے اس سے پہلے کی مثال میں بحث کی ہے لیکن بعض غزلون میں ایسی حالت نہیں ہے، اس سے دھوکا ہو سکتا ہے، کہ شاید ایسی غزلین شمس تبریز کی ہون، لیکن یہ شبہہ بھی جاتا رہتا ہے، کہ اس غزل کے مقطع میں شمس کا نام کسی حاص واضح تعریفی انداز یا الفاظ میں نہیں لیا گیا، اور سپہ سالار کے رسالہ سے یہ حقیقت نمایان ہے، کہ یہ غزل مولینا روم کی ہے، جب یہ اشعار بجنسہ دیوان شمس تبریز میں ملتے ہین، تو ہم بلا خوف تردید کہہ سکتے ہین کہ دیوان شمس تبریز مولینائے روم کے کلام کا مجموعہ ہے،

بوئے ہمیں آید مرا مانا کہ باشد یار من بوئے ہمیں آید مرا مانا کہ باشد یار من
بر بادمن پیمود می آن باوفا خمار من بر بادمن پیمود می آن باوفا خمار من
کے یادمن رفت از دلش ای در دل و جان مسئر لش کے یادمن رفت از دلش ای در دل و جان مسئر لش
ہر لحظہ مجوئے کند ہر دل بیمار من ہر لحظہ مجوئے کند ہر دل بیمار من

کو نعرهٔ یا بانگئے اندر خود سودلے من	کو نعرهٔ یا بانگئے اندر خود سوداے من
کو افتابی یا مہی مانندہ انوار من	کو آفتابی یا مہی مانندهٔ انوار من
امشب درین گفتار ہا رمزے ازان اسرارہا	امشب دریں اسرارہا رمزے ازین اسرارہا
در پیش بیداران ہندآن دولت بیدار من	در پیش بیداران ہندآن دولت بیدار من
آن پیل بخواب اے عجب چون دید ہندوستان[1] بشب	آن پیل بخواب اے عجب چون دید ہندستان بشب
لیلی درآمد در طلب در جان مجنون دار من	لیلی درآمد در طلب در جان مجنون دار من
صبر از دل من بردهٔ مست و خرابم کردهٔ	صبر از دل من بردهٔ مست و خرابم کردهٔ
کو علم من کو حلم من کو عقل زیرک سازمن	کو علم من کو حلم من کو عقل زیرک ساز من
امشب چہ باشد قرنہا منشا نداین یار نظی	امشب چہ باشد قرنہا منشا نداین نار نظی
(ص۱۵) من آب گشتم از حیا ساکن نشد این نار من	من آب گشتم از حیا ساکن نشد این نار من (ک ۶۱۴)

سپہ سالار	دیوان
ہر بشرے کہ صاف شد در دو جہان در ولی	ہر بشرے کہ صاف شد در دو جہان در ولی
دید غرض کہ فقر بد بازنگ الست را بلی	دید غرض کہ فقر بد بانگ الست را بلی
(ص ۴۰)	(ک ۸۸۵)

حضرت خداوندگار ..... از سر معاملۂ خویش بیان می فرماید، بیض اللہ وجہہ العزیز

بسوزید آتش تقوی جہان ماسوی اللہ را	بسوزید آتش تقوی جہان ماسوی اللہ را
(ص۲۲) بزد برقی و اللہ و بسوزانید تقوی را	بزد برقی و اللہ و بسوزانید تقوی را (ک ۹۹۵)

حضرت خداوندگار، ما از صفت آن شراب کلمات بسیار در غزل دیگر بیان میفرماید سقانا اللہ منہ

---

[1] مولینا نے اس طرح بعض اور اشعار میں بھی ہندوستان کا ذکر کیا ہے،

دیوان شمس تبریز	سپہ سالار
پیش ازان کاندر جهان باغ و می انگور بود	پیش ازان کاندر جهان باغ و می انگور بود
از شراب لایزالی جان ما مخمور بود	از شراب لایزالی جان ما مخمور بود
ما ببغداد ازل لاف انا الحق میزدیم	ما ببغداد جهان جان انا الحق میزدیم
پیش ازین کین دار و گیر و فتنهٔ منصور بود	پیش ازین کین دار و گیر و نکتهٔ منصور بود
(ک ۲۶۰)	(ص ۲۴)
سر قدم کردیم و آخر سوی جیحون تاختیم	سر قدم کردیم و آخر سوی جیحون تاختیم
عالمی برهم زدیم و جست بیرون تاختیم	عالمی برهم زدیم و جست بیرون تاختیم
اولین منزل یکی دریای پرخون رو نمود	اولین منزل یکی دریای پرخون رو نمود
در میان موج آن دریای پرخون تاختیم	در میان موج آن دریای پرخون تاختیم
چون براق عشق عرشی بود زیر ران ما	چون براق عشق عرشی بود زیر ران ما
گنبدی کردیم و سوی چرخ گردون تاختیم	گنبدی کردیم و سوی چرخ گردون تاختیم
فهم و وهم و عقل انسان جملگی در ره بریخت	فهم و وهم و عقل انسان جملگی در ره بریخت
زانکه از شش حد انسان سخت افزون تاختیم	چونکه از شش حد انسان سخت افزون تاختیم
عالم بیچون مثال ذره ها برهم زدیم	عالم[1] چون را مثال ذره ها برهم زدیم
تا به پیش تخت آن سلطان بیچون تاختیم	تا به پیش تخت آن سلطان بیچون تاختیم
(ک ۵۲۹)	(ص ۲۵)
دیوان شمس تبریز	سپہ سالار
سالکان قدس را محرم شدم	سالکان قدس را محرم شدم

[1] سپہ سالار کا مصرع زیادہ صحیح ہے، اسلئے کہ عالم چون "سلطان بیچون" کے مقابل ہے،

ساکنان قدس را همدم شدم
طارمی دیدم برون از شش جهت
خاک گشتم فرش آن طارم شدم
هر نفس همراه عزرائیل بود،
جان مبادم گر ازو درهم شدم
روبرو با مرگ کردم مرحبا،
تا ز عید مرگ من خرم شدم
گه چو عیسی جملگی گشتم زبان،
گه دلے خاموش چو مریم شدم
بانگ نائے لم یزل بشنو ز من
گر چو پشت چنگ اندر خم شدم
عید اکبر شمس تبریزی که بود،
عید را قربانی اعظم شدم،

(ص ۳۵)

ریگ ز آب سیر شد من نشدم زهی زهی
لایق جز گمان من نیست درین جهان زهی
اگر دلت بهلائے غمش شرح نیست
یقین بدان که تو در عشق شاه مختصری
زر بخ گنج بترس و زر بخ هر کس نے

ساکنان قدس را همدم شدم،
طارمی دیدم برون از شش جهت
خاک گشتم فرش آن طارم شدم
هر نفس همراه عزرائیل بود،
جان مبادم گر ازو درهم شدم
روبرو با مرگ کردم مرحبا
تا ز عید مرگ من خرم شدم
گه چو عیسی جملگی گشتم زبان،
گه دلے خاموش چو مریم شدم
بانگ نائے لم یزل بشنو ز من،
گر چو پشت چنگ اندر خم شدم
عید اکبر شمس تبریزی که بود،
عید را قربانی اعظم شدم

(ک ۲۱۱)

ریگ ز آب سیر شد من نشدم زهی زهی
لایق جز گمان من نیست درین جهان زهی
اگر دلت بهلائے غمش شرح نیست
یقین بدان که تو در عشق شاه مختصری
زر بخ گنج بترس و زر بخ دیگرے،

که خشم حق نه بود همچو کینهٔ بشری

(ص ۲۷)

غم را چه زهره باشد تا نام ما برد
دستی بزن که از غم و غمخوار فارغیم
ما لاف می زنیم تو انکار میکنی
ز اقرار هر دو عالم و انکار فارغیم

(ص ۲۸)

چنانکه از رنگ رنجوران طبیب از علت آگاه شد
ز رنگ و روی چشم تو بدنیت پیدا و بینا
ببینید حال دین تو بد اندر مهر و کین تو
ز رنگت لیک پوشاند نگرداند ترا رسوا
نظر در نامه می دارد و لیکن تا لب نمی خواند
همی داند کزین حال چه صورت زایدش فردا

(ص ۲۹)

ستاره ایست خدا را که بر زمین گردد
که در هوای دلیست آفتاب چرخ بود
بسا سحر که در آید بصومعهٔ مومن
که من ستارهٔ سعدم بجز زمین مقصود
ستاره ام که من اندر زمین و بر چرخم

که خشم حق نه بود همچو کینهٔ بشری

(ک ۹۶۸)

غم را چه زهره باشد تا نام ما برد
دستی بزن که از غم و غمخوار فارغیم
ما لاف می زنیم تو انکار میکنی
ز اقرار جمله عالم و انکار فارغیم

(ص ۳۰۶)

چنانکه از رنگ رنجوران طبیب از علت آگاه شد
ز رنگ و روی چشم تو بدنیت پی برد بینا
ببینید حال دین تو بد اندر مهر و کین تو
ز رنگت لیک پوشاند نگرداند ترا رسوا
نظر در نامه می دارد و لیکن تا لب نمی خواند
همی داند کزین حال چه صورت زایدش فردا

(ک ۳)

ستاره ایست خدا را که بر زمین گردد
که در هوای دلیست آفتاب چرخ بود
بسا سحر که در آید بصومعهٔ مومن
که من ستارهٔ سعدم بجز زمین مقصود
ستاره ام که من اندر زمین و بر چرخم

بصد مقام یا بند چوں خیالِ حدود	بصد مقام یا بند چون خیالِ حدود
(ص ۳۷)	(ک ۳۲۳)

ایک بادشاہ کی تباہی کے حال کی تفصیل کے بعد فرماتے ہیں، در اثنائے آن سماع بر داشتند و این غزل را فرمودند،

نگفتمت[1] مرو آنجا کہ مبتلات کنند	نگفتمت مرو آنجا کہ مبتلات کنند
کہ سخت دست دراز اند بستہ مات کنند	کہ سخت دراز اند بستہ مات کنند
نگفتمت کہ ازان سوئے دام در دانہ است	نگفتمت کہ ازان سوئے دام در دانہ است
چو در فتادئی در دام کے رہات کنند	چو در فتادئی در دام کے رہات کنند
(ص ۴۳)	(ک ۳۲۶)
در خانہ خمار خرابات کہ دید است	در خانہ خمارِ خرابات کہ دید است
(ص ۲۰)	(ک ۳۲۸)
گر بشکند این جامم من غصہ نیاشایم	گر بشکند این جامم من غصہ نیاشایم
جامے دگر آن ساقی در زیر بغل دارد	صد جام دگر ساقی در زیر بغل دارد
	(ک ۲۱۱)

یہ سب وہ اشعار ہیں، جن کے متعلق سپہ سالار کی تصریح نظر سے گذر چکی ہے، کہ یہ سب مولانائے روم کے فرمودہ ہیں، اس کے مقابل دیوان شمس تبریز سے منتخب شدہ اشعار بھی پیش نظر ہو چکے ہیں، اب تصفیہ کیا جاسکتا ہے کہ دیوان شمس تبریز مولینا کا کلام ہے، یا نہیں، بلا خوف تردید جواب اثبات میں ہے،

[1] یہ اشعار تصریح کے ساتھ مناقب میں بھی موجود ہیں،

سپہ سالار کا ایک اہم بیان | علاوہ ان منتخبہ اشعار کے جو ہم نے اپنے دعوی کے ثبوت میں پیش کیے ہیں سپہ سالار کا ایک اور بیان بھی ہے، جس سے ہمارے دلائل قطعی ہو جاتے ہیں،

جب حضرت شمس تبریزؒ دمشق کی طرف روانہ ہوگئے۔ تو وہاں سے مولانا کے نام ایک نامۂ اقدس روانہ فرمایا۔

"ناگاہ از حضرت مولینا شمس الدین بخداوندگار از محروسۂ دمشق مکتوب آمد، بعد ازان حضرت خداوندگار در شوق عشق آنحضرت باز بسماع شد و کلمات و غزلیات انشار فرمود"

(سپہ سالار ص ۶۶)

دیوان کو دیکھئے تو ایک دو نہیں سیکڑون غزلیات اور ہزارون اشعار اس حال کی ترجمانی کرتے ہین: مثلاً یہ اشعار ملاحظہ ہون،

اے[1] توجانِ صد گلستان از من پنہان شدی — اے توجان جان جانم چون ز من پنہان شدی
شمس تبریزی بجاہی رفتہ چو یوسفی — اے تو آبِ زندگی چون از من پنہان شدی

آگے چلئے تو اس سے زیادہ پر جوش بیان ہے، مفسدین کی شرارت سے تنگ آکر جب حضرت شمس الدین تبریزؒ دوبارہ غائب ہوگئے، تو مولانا کو بیحد قلق ہوا، اور مولینا نہایت بیتاب و بیقرار ہوئے

"دران مدت ناگاہ غیبت فرمود، حضرت خداوندگار علی الصباح چون در مدرسہ آمد و خانہ را از ایشان خالی یافت چون ابر بجروشید و روز و شب در فراق غزلیات ببیان می آوردند" (ص۹۶ سپہ سالار)

اس غم ہجران کو بصورت شعر دیکھئے،

مفخر تبریز شمس الحق تو باز آ از سفر — بہر حق بار دگر ما عاشقِ دوباڑہ ایم

---

[1] انتخاب غزلیات مولینا روم و فرزند مولینا روم قلمی کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن،

اے مونس وغمگسار عاشق، اے چشم و چراغ یار عاشق،
زینهاں چہ زیان اگر تو باشی چارہ گر و غم گسار عاشق،

(دیوان شمس تبریز نسخہ ذاتی مطبع منشی نولکشور، ص ۱۹۰)

ز شمس الدین دلا بس دور دوری، ز دوری گوئے ہمچو نفخ صوری،
خود بین در نظم شعرم منگر بہر انکو دیدہ و دل ز عشقش ہست خوں پالائے
زہے چشم مرا حاصل شدہ آئین خونریزی زہجران خداوندی شمس الدین تبریزی

(کلیات شمس تبریز لکھنو ک ۱۹۷)

مدت دراز کے ہمدم و ہمراز کے اس بیان اور دیوان کے ان اشعار کے بعد اس حقیقت کے اعتراف میں کوئی امر مانع دکھائی نہیں دیتا، کہ دیوان شمس تبریز مولانا کا کلام ہے، مولانا کے سیرت نگاروں میں سپہ سالار کی شہادت قطعی اور آخری ہے،

مثنوی سلطان ولد کی شہادت، سلطان ولد مولینا کے نامور فرزند ارجمند ہیں، صاحب علم و عمل ہونے کے علاوہ اہل سخن بھی تھے، شعر میں مولینا ہی کے پیرو ہیں، انکو ایک طرف علوم رسمی میں ید طولی حاصل تھا تو دوسری طرف حقائق قدسی سے بھی انکا دامن دولت مالا مال تھا، سپہ سالار[1] کہتے ہیں،

"سلطان ولد رضی اللہ عنہ ...... در جمیع علوم رسمی دریائے بیکران بود و در معارف و حقایق قدسی پادشاہی بود بے مثل و نشانہ"؛

حضرت شمس بھی ان پر نہایت مہربان تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ ظاہر و باطن میں کامل ہوئے،

"حضرت مولینا شمس الدین عظم اللہ ذکرہ در بارۂ ایشان عنایت تمام فرمودے، در اوقات تجلیات و مناجات از حضرت رب العزت جہت ایشان اعلائے مقامات ولایت

(معارف م)

[1] سپہ سالار ص ۷۶، ۷۷، مطبوعہ محمود المطابع کانپور،

بے زحمت کدورت مشقت طلب استدعا فرمودی، لاجرم آن گنج حقایق و رایکبار
حاصل گشت، و ظاہر و باطن مبارکش بہ تجدید قدسی مزین شد"

زہے ز نور روان تو چشم جان روشن
ز عکس طلعت تو لوح قدسیان روشن

مثنوی سلطان ولد مولانا ہی کی طرح ان کا ایک دیوان غزلیات اور ایک مثنوی ہے جو مثنوی سلطان ولد کے نام سے مشہور ہے، اس کا ایک قدیم اور صحیح قلمی نسخہ کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن میں محفوظ ہے، یہ مثنوی سلطان ولد کے فرزند سعید کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے، اور اس نسخہ کی کتابت ان کی وفات[1] کے چھ سال بعد مکمل ہوئی ہے،

خاتمۂ کتاب پر یہ عبارت بالکل اس خط میں ہے جسمیں ساری مثنوی لکھی گئی ہے،

تم کتاب المثنوی المعنوی علی یدی احقر عباد اللہ واضعفھم عثمان بن عبد اللہ عتیق مولانا ابن مولانا المعروف بالولد نور اللہ بنورہ المؤید یوم السبت اربع عشر من شہر شوال سنہ ثمان عشر و سبعمایہ والحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ علی نبیہ محمد و آلہ الطیبین الطاہرین و سلم

مثنوی میں مختلف مسائل پر انھوں نے مختلف عنوان اور باب قرار دئیے ہیں، ایک باب مراتب قرب اور "فرقِ مدارجِ وصال" پر بھی ہے، اس عنوان کی عبارت میں مولانائے روم کے اشعار بھی درج کئے ہیں "در بیان آنکہ رہ روان و واصلان را قرب حق یکسان نباشد چنانکہ مولینا قدس اللہ سرہ میفرماید"

مثنوی سلطان ولد	دیوان
اے برسر بازاران صد خرقہ بزنارے	اے برسر بازاران ہر خرقہ بزنارے
وز روئے تو در عالم ہر روئے بدیوارے	وز روئے تو در عالم ہر روئے بدیوارے

---

[1] سنہ وفات سلطان ولد ۷۱۲ھ سپہ سالار ص۸۲ (در بیان خلفا حضرت خداوندگار بعنوان سلطان ولد)

ہر ذرہ تو خورشیدی گویائے اناالحق	ہر ذرہ ز خورشیدت جویائے اناالحق
ہر گوشہ چو منصوری آویختہ برداری	ہر گوشہ چو حلاجست آویختہ برداری
ایں طرفہ کہ از یک خم ہر یک زمئے مستند	ایں طرفہ کہ از یک خم ہر یک زمئے مستند
ایں طرفہ کہ از یک گل در ہر قدمے خارے،	ایں طرفہ کہ از یک گل در ہر قدمے خارے
از عقل گروہے مست بے عقل گروہے مست	از عقل گروہے مست بے عقل گروہے مست
جز عاقل لایعقل قومی دگر آند آری	جز عاقل و لایعقل قومی دگر آند آری
(ورق ۲۳۸ کا صفحۂ ثانی)	(دیوان شمس تبریز ص ۳۶۶)

ان اشعار کے بعد یہ عبارت ہے،

"پس در عین وصل واصلان حق را مقاماتیست، از روے وصل یکیا نیست، واز روے مقامات و درجات مختلف چنانکہ در دنیا پادشاہی را خواص و مقربان باشند لیکن ہر یکے را پیش پادشاہ مقامی باشد یکے اعلیٰ و یکے ادنیٰ یکی اقرب دیگے ابعد چنانکہ مولینا قدس اللہ سرہ میفرماید"

مثنوی سلطان ولد	دیوان شمس تبریز
گر تو نورِ حق شدی از شوق تا مغرب برو	
زانکہ ما را زین صفت پروائے آن انوار نیست	
ور تو سر حق بدانستی بدان سر باش یار	یہ اشعار دیوان میں نہیں ہیں،
زانکہ این اسرار ما را خوئی آن اسرار نیست	
جانے کہ رو این سو کند با بایزید از خو کند	جانے کہ رو آن سو کند با بایزید او خو کند
یا در سنائی رو کند یا بو دہد عطار را	یا در سنائی رو کند یا بو دہد عطار را
(ورق ۲۳۸ کا صفحۂ ثانی)	(دیوان شمس تبریز قلمی ناتمام ص ۱۱۹ کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد)

(معاملہ

چند اور شہادتیں

عطار اور سنائی کا ذکر، مولینا رومؒ حضرت عطارؒ، اور سنائی کے پیام اور کلام دونوں سے متاثر ہوئے ہیں، اسلئے مختلف مقامات پر ان کی مدح فرمائی ہے، جو بجائے خود اس امر کی ایک دلیل ہے کہ یہ اشعار مولینا کے ہیں، اور اس سے دیوان شمس تبریز کا، مولینا کا کلام ہونا ثابت ہوتا ہے،

(۱) ہمچنین یاد فرمودہ است،

مثنوی سلطان ولد	دیوان
حلاج اشارت گو از خلق بدار آمد،	حلاج اشارت کو از خلق پدید آمد
از تندئ اسرارم حلاج زند دارم	از تندئ اسرارم حلاج زند دارم[1]
(یہ شعر سپہ سالار میں ہے ص ۲۴۴)	(ک ۲۰۴)

ہم نے اوپر مثنوی سلطان ولد سے منتخبہ اشعار اور ان کے مقابل دیوان شمس تبریز سے وہی اشعار منتخب کر کے درج کر دیئے ہیں، یہ ایک برہان ساطع ہے، جس سے ہم دیوان شمس کو مولینا روم کا کلام ماننے پر مجبور ہیں،

"فیہ مافیہ" کی شہادت، فیہ مافیہ خود مولینا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات عالیہ کے مجموعہ کا نام ہے، اس کتاب کا صرف نام ہی نام سنتے تھے، مولینا کے عہد سے اب تک کبھی شائع

[1] یہ شعر سپہ سالار میں بھی ہے، منصور اشارت گو از خلق بدار آمد۔ از تندئ اسرارم حلاج زند دارم ص[illegible]

نہ ہوئی تھی، ہان حیدر آباد کو یہ فخر حاصل ہے، کہ کتب خانہ آصفیہ میں اس کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے،

رام پور کے کتبخانہ میں اس کا ایک نسخہ مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی مدیر صدق کے ہاتھ لگا، انھون نے ہندوستان اور قسطنطنیہ کے کتبخانون کے نسخون سے مقابلہ کرنے کے بعد تذکرہ اور تبصرہ کیساتھ پہلی مرتبہ اسے چھپواکر شائع کیا ہے، اب اس نعمتِ غیر مترقبہ سے ہر اہلِ دل استفادہ کر سکتا ہے، ع:-

صلاے عام ہے یارانِ نکتہ دان کے لئے

مولینائے روم نے اس میں بھی بعض جگہ اپنے اشعار درج کئے ہین، ان میں ایسے بھی ہین، جو دیوان شمس تبریز میں ملتے ہین، جس سے ہمارے دعوی کی تائید ہوتی ہے، کہ دیوان شمس تبریز مولینا کے کلام کا مجموعہ ہے،

مولانا کی ایک مشہور اور مخصوص غزل کا ایک مصرع ہے،

فیہ ما فیہ	دیوان شمس تبریز
مفروش خویش ارزان کہ توبس گرانبہائی	مفروش خویش ارزان کہ توبس گرانبہائی
(ص ۱۰)	(ک ۹۰۶)
فیہ ما فیہ	دیوان شمس تبریز،
جزو درویشند جملہ نیک و بد،[1]	جزو درویشند جملہ نیک و بد

[1] یہ شعر مناقب العارفین میں بھی ہے (قلمی نسخہ کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن) ممکن ہے کہ بعض لوگ یہ سوال کرین کہ صرف فیہ مافیہ میں ہونے سے اس کا کسطرح علم ہوا کہ یہ اشعار خاص مولینا ہی کے ہین، لیکن جب یہ شعر مناقب میں تصریح کیساتھ پایا جاتا ہے اور دیوان میں بھی ہے تو ثابت ہوتا ہے کہ یہ اشعار مولینا ہی کے ہین،

ورنباشد این چنیں درویش نیست | ہر کہ نبود او چنیں درویش نیست
(ص ۲۴۷) یہ شعر مناقب میں بھی ہے، | (ک ۱۵۹)

فرشتہ است بعلم و بہیمہ است بجہل | فرشتہ است بعلم و بہیمہ است بجہل
میان این دو منازع بماند مردم زاد | میانِ آن دو منازع بماند مردم زاد
(ص ۸۵) | (ک ۳۲۱)

گو یا یہ خود مولینا کی شہادت ہے، متاخرین، متقدمین، ہمعصر اور ہمدم وہم صحبت اصحاب کرام کی شہادت کے بعد ہم نے خود مولینا کی شہادت بھی نقل کر دی ہے، ان اشعار سے یہ امر قطعی طور پر ثابت ہوا کہ دیوان شمس تبریز مولینا کے نتائجِ افکار میں سے ہے، فیہ مافیہ کی شہادت قوی تر ہے، اس سے ہماری دلیل بھی قوی ترین ہو جاتی ہے،

ایک خاص اور اہم شہادت کتبخانہ آصفیہ میں مولانائے روم کے کلام کا ایک گرانقدر مجموعہ غزلیات مولینائے روم و فرزند مولینائے روم کے نام سے ہے جس میں ان دونوں کی غزلوں کا یہ ایک نہایت بیش قیمت انتخاب ہے، یہ نسخہ قلمی ہے، خط نہایت خوبصورت اور پختہ ہے، ایرانی طرز کی ایک نہایت نفیس سوختہ چرمی جلد ہے، لیکن شکستہ، جلد کے درمیان میں نہایت پاکیزہ خط میں درود شریف لکھا ہوا ہے، حاشیوں پر کلمات تسبیح درج ہیں، کتاب پر نہ نام درج ہے، اور نہ سنہ کتابت ہے، ۱۳۲۱ھ میں غالباً عابد نواز جنگ سے کتبخانہ آصفیہ کے لئے خریدی گئی ہے،[۱]

قطعی طور پر یہ کہنا مشکل ہے، کہ یہ نسخہ کسقدر قدیم ہے، اگر اس کا مثنوی سلطان ولد کے مذکورۂ بالا قدیم قلمی نسخہ سے جسکی کتابت ان کی وفات[۲] کے چھ سال بعد پایۂ تکمیل کو پہنچی ہے مقابلہ کیا جائے

۱؎ کتبخانۂ آصفیہ.... دواوین فارسی نمبر ۳۴۳۳ ۲؎ سلطان ولد کا سنہ وفات ۷۱۲ھ ہے، آخر شب روز شنبہ دہم رجب سنہ اثنی عشر و سبعہ مائۃ در پردہ نور مستور شد اور اختتام کتابت کی تاریخ ۷۱۸ھ ہے جو خاتمہ کتاب پر بقلم کاتب درج ہے

اور مختلف پہلوؤں پر غور کیا جائے تو غزلیات کا یہ نسخہ مثنوی رباب نامہ کے اس نسخہ سے قریب العہد معلوم ہوتا ہے، باوجود نہایت خوشخط اور صاف ہونے کے مثنوی کے اس نسخہ سے زیادہ اس کا کاغذ گل گیا ہے، اس کا شیرازہ بھی بکھرا ہوا ہے،

اس میں مولینا روم اور سلطان ولد (فرزند مولانا روم) دونوں کی غزلیات ہیں لیکن مخلوط ترتیب ایسی نہیں کہ پہلے کسی کی غزلیں ہوں، اور بعد دوسرے کی،

غزلیات میں بھی ردیف وغیرہ کے اعتبار سے کوئی خاص ترتیب نہیں، اکثر باپ اور بیٹے کی ہم قافیہ اور ہم ردیف غزلیں ساتھ ساتھ درج ہیں، جیسے کسی کو دونوں شعرا کے کلام کا موازنہ اور مقابلہ مقصود ہو،

لوالدہ۔ اے تو زخوبی خویش آئینہ را مشتری　　　سوختہ باد آئینہ تا تو دران بنگری

لولدہ۔ اے ہمہ خوبان ترا از دل و جان مشتری　　　تا سوی ایشان ہمایکنفس بنگری

لوالدہ　قرۃ العینی منی اے جان بیلے،　　　ماہ بدری کردہ ما کردان بیلے،

لولدہ۔ ولد این بوزن گفت مولانا بو　　　قرۃ العینی منی اے جان بیلے،

اس آخری شعر سے ظاہر ہوتا ہے، سلطان ولد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ غزلیات مولانائے روم کی غزلیات پر لکھی ہیں، اور اس انتخاب میں تقریباً ساری غزلیات اسی نوعیت کی ہیں، غزلیات کا انتخاب مرتب کے حسن ذوق اور سخن شناسی کی دلیل ہے، مولانا کی ہر غزل پر "لوالدہ" اور سلطان ولد کی غزل پر "لولدہ" لکھا ہوا ہے،

خاص بات اور قابل غور و فکر امر یہ ہے کہ ہر غزل سے پہلے "لوالدہ" اور "لولدہ" کے الفاظ کے بعد مرتب مذکور احتراماً خاص خاص دعائیہ جملے لکھتا ہے جس سے حضرات شعرا کیساتھ اسکی دلی عقیدت کے علاوہ اسکا کمال علم و فضل بھی ظاہر ہوتا ہے، مثلاً ملاحظہ ہو،

لولدہ اصلح اللہ شانہٗ	لوالدہ غفر اللہ ذنوبہٗ،
لولدہ عفی اللہ عنہٗ،	لوالدہ اعز اللہ نصرہٗ،
لولدہ اجلی اللہ قدرہٗ،	لوالدہ اجل اللہ قدرہٗ،
لولدہ طیب اللہ تربتہٗ،	لوالدہ طاب اللہ مرقدہٗ
لولدہ نور اللہ مضجعہٗ	لوالدہ طاب اللہ تربتہٗ،
	لوالدہ رحمۃ اللہ علیہ،

یہ مختلف فقرے اس طرح استعمال کیے گئے ہین، کہ بعض پر یہ گمان ہوتا ہے، کہ ممدوح کے زمانہ حیات میں لکھے گئے ہین، جیسے "اصلح اللہ شانہٗ"، "اعز اللہ نصرہٗ" اور بعض سے ظاہر ہے کہ موت کے بعد لکھے گئے ہین، جیسے "طاب اللہ مرقدہٗ"، "نور اللہ مضجعہٗ"، مولینائے روم اور ان کے خلفائے محترم کے معتقد اور مخصوص تذکرہ نویس فریدون سپہ سالار اور شمس الدین افلاکی صاحب مناقب العارفین ہین، انکے بعد تذکرہ نویسون کا ایک طویل سلسلہ ہے، لیکن اور تذکرون میں تو یہ بات نہیں ہے، ان دونون حضرات نے القاب و آداب اور ایسے دعائیہ جملے اپنی اپنی تحریرون میں استعمال کیے ہین لیکن مناقب میں افلاکی کا یہ رنگ نہیں، البتہ سپہ سالار کی القاب نویسی مین دعائیہ جملوں کے لکھنے کا رنگ قریب قریب بلکہ بالکلیہ اس کے مشابہ ہے، عربیت، ترکیب اور بندش بھی ایسی ہے جس سے اسکے جوشِ عقیدت اور قدرتِ زبان کا پتہ چلتا ہے، سپہ سالار میں بھی یہی بات آپ پائین گے، مثالین ملاحظہ ہون،

مولینا کے نام کیساتھ "قال الشیخ قدس اللہ روحہٗ (سپہ سالار ص ۳) عظم اللہ ذکرہم (سپہ سالار ص۱۱) در ذکر حضرت خداوندگار قدس اللہ سرہٗ العزیز (سپہ سالار ص ۱۳) قدسنا اللہ سرہ العزیز (سپہ سالار ص۱۸) بیض اللہ وجہہ العزیز (سپہ سالار ص۲۲) عظم اللہ جلال قدرہ (سپہ سالار ص۲۳) بیض اللہ تعالیٰ وجہہ (سپہ سالار ص۲۶) شیخ اوحد الدین کرمانی رحمۃ اللہ علیہ"، سلطان سعید رکن الدین نور اللہ قبرہ، حضرت شمس عظم اللہ

ذکرہ (سپہ سالار ص ۶۲) اعظم اللہ جلال قدرہ ص ۶۳، ۶ رائمۂ صلاح الدین بیض اللہ غرتہ (سپہ سالار ص ۶۶)

سلطان ولد۔ رضی اللہ عنہ، وعن اسلافہ ص ۷۰، قدس اللہ بسرہ (سپہ سالار ص ۷۶)

بیض اللہ غرتہ (سپہ سالار ص ۷۹)

سلطان شمس الدین عابد۔ اسبغ اللہ ظلہ، چلپی عارف نور اللہ ضریحہ،

القاب وآداب کا تو یہ رنگ پیش نظر ہوگیا ہے، مشابہت ومشارکت کا اندازہ ہوگیا، جیسے اسمیں بعض القاب کی تکرار ہوتی ہے، اس منتخبہ نسخہ میں بھی القاب کی تکرار کا یہی حال ہے، سپہ سالار میں بعض القاب مختلف حضرات کیلئے مشترک طور پر استعمال ہوئے ہین، تو غزلیات کے اس انتخاب میں بھی مولینا اور سلطان ولد کے لئے بعض القاب مشترک طور پر استعمال ہوئے ہین، مثلاً اجل اللہ قدرہ، طاب اللہ تربتہ، یہ صرف ہمارا ایک گمان اور قیاس ہے، (واللہ اعلم بحقیقۃ الحال،)

کیا اس نسخہ کی غزلیات منتخبہ مولانا ہی کی ہین؟

ہمنے اوپر بیان کیا ہے کہ نسخہ پر کتاب کا کوئی نام درج نہیں ہے صرف فہرست کتبخانہ میں اس کا نام "غزلیات مولینا روم اور فرزند مولینا روم" ہے، ابتدا اور آخر کے چند صفحات غائب ہیں، البتہ صرف ہر غزل کے سرے پر الفاظ "لوالدہ" اور "لولدہ" درج ہین، ممکن ہے کوئی یہ سوال کرے کہ اس کا کیا ثبوت ہے کہ یہ والد اور ولد سے مراد مولینا روم اور سلطان ولد ہیں، اور یہ انہی کے کلامِ بلاغت نظام کا انتخاب ہے،

اس کا جواب یہ ہے کہ،

تقریباً سلطان ولد کی ساری غزلیات ہیں جن کے آغاز میں "لولدہ" لکھا ہوا ہے، انکا تخلص موجود ہے، جیسے:۔

مغز مغزی اے ولد ہم جان جان مرد خرد علما و عقلها در پیش حسنت چون سپر

(ورق ۴۸ سے پہلے کا صفحہ)

ہین ولد پیدا مکن اسرار عشق شاہ را — غیرت حق آتشست افزون مکن خاموش بس

اے ولد چون راہ معنی را گزیدی لاجرم — ہم تو شاہی ہم سپاہی ہم امانی ہم امین

(ورق ۹ سے پہلے کا صفحہ)

لب بند ازین گفتن بس کن ز گہر سفتن — یکبارہ ولد ہر دم اسرار مکن پیدا

(ورق ۵۰ سے پہلے کا صفحہ)

گشتست ولد بیجان زان زلف و صد حلقہ — در حلقہ جان او مہر تو نگین بادا

(ورق ۵۰ سے پہلے کا صفحہ)

جب سلطان ولد کی غزلیات واقعی انہی کی ہین، اور انتخاب کنندہ کا اندراج صحیح ہے، تو اس محل پر اس امر مین شک وشبہہ کی کوئی وجہہ نہیں کہ انھون نے جن غزلیات پر "لوالدہ" لکھا ہے وہ مولانائے روم ہی کی ہیں، اگر وہ صحیح ہے تو یہ بھی درست ہے،

ایک بدیہی ثبوت، | اس سے قوی تر ایک اور ثبوت بھی جائے یہان موجود ہے، وہ یہ ہے، کہ بعض غزلیات کے چند اشعار جو اس گلدستہ انتخاب میں ہیں، تصریح اور توضیح کے ساتھ سپہ سالار میں بھی پائے جاتے ہین، جو مولانائے معنوی کا معتبر ترین تذکرہ ہے، بعض اشعار سپہ سالار اور مناقب العارفین دونون میں پائے جاتے ہین، یہ اس امر کا بدیہی ثبوت ہے، کہ نسخہ مذکور کی منتخبہ غزلیات بلاشبہہ مولانا ہی کی ہین،

یہ تو دعوی ہوا دلیل ملاحظہ ہو،

مناقب العارفین	سپہ سالار	غزلیات مولینا روم و فرزند مولینا روم،
سرقدم کردیم و آخر سوئے جیحون تاختیم	سرقدیم کردیم و آخر سوئے جیحون تاختیم	سرقدم کردیم آخر سوئے جیحون تاختیم

ل۵ شمار اس نسخہ میں بھی اوراق کا ہے، صفحات کا نہیں،

مناقب العارفین	سپہ سالار	غزلیات مولینا روم فرزند مولینا
عالمے برہم زدیم وچست بیرون تاختیم	عالمے برہم زدیم وچست بیرون تاختیم	عالمے برہم زدیم وچست بیرون تاختیم
چون براق عشق عرشی بود زیر ران ما	چون براق عشق عرشی بود زیر ران ما	چون براق عشق عرشی بود زیر ران ما
گنبدی کردیم سوئے چرخ گردون تاختیم	گنبدی کردیم سوے چرخ گردون تاختیم	گنبدی کردیم سوئے چرخ گردون تاختیم
عالم چون را مثال ذرہ ہا برہم زدیم	عالم چون را مثال ذرہ ہا برہم زدیم	عالم چون را مثال ذرہ ہا برہم زدیم
تا بہ پیش تخت آن سلطان بیچون تاختیم	تا بہ پیش تخت آں سلطان بیچون تاختیم	تا بہ پیش تخت آن سلطان بیچون تاختیم

با روے تو ز سبزہ و گلزار فارغیم ۲ با روئے تو ز سبزہ و گلزار فارغیم

با چشم تو ز بادۂ و خمار فارغیم با چشم تو ز بادۂ و خمار فارغیم

(یہاں اوراق[1] کا نمبر نہیں ہے) (سپہ سالار)

سالکان راہ را محرم شدم ۳ سالکان راہ را محرم شدم

ساکنان قدس را ہمدم شدم ساکنان قدس را ہمدم شدم

(اوراق کا نمبر نہیں) (ص ۲۵)

اس قطعی دلیل کے علاوہ اس امر کی ایک اور داخلی شہادت بھی موجود ہے، اسی نسخہ کی ایک غزل میں مولانا نے سلطان ولد سے خطاب کیا ہے، فرماتے ہین،

ہیچو کہ مردان ولد جوئی رضائے احد ہم بطلب زد مدو عمر بپایان رسید

سلطان ولد اسی قافیہ وردیف کی غزل میں جو انتخاب میں اسی کے بعد درج ہے، اس کا ذکر فرماتے ہیں،

[1] کتب خانہ کے منتظمین نے کتاب کے اوراق شمار کئے ہین، چند اوراق کے بعد انھون نے کتاب کو بلا شمار چھوڑ دیا ہے،

والد گفت اے ولد ہستد آن حمد کہ رسدت جان من عمر چو پایان رسید

(ورق ۹۰ سے پہلے کا صفحہ)

ایک اور شعر میں مولینا نے سلطان ولد کو مخاطب فرمایا ہے،

گوہر عشقت کجا یابد ولد، چون ورائے ہفت دریا آمدی

اس ثبوت کے بعد سارا شک یقین سے بدل گیا کہ اس انتخاب میں جو غزلیات مولینا کی طرف منسوب ہیں، وہ انھی کی ہیں، اب ہم تحقیق و مقابلہ سے ظاہر کریں گے کہ یہ غزلیات دیوان شمس تبریزیہ میں بھی پائی جاتی ہیں، جس سے ہمارا مدعا قطعی طور پر ثابت ہو جائے گا کہ دیوان شمس تبریز مولانا روم کا کلام ہے۔ مقابلہ پیش نظر ہے، طوالت کے خوف سے ہم نے اکثر غزل کا صرف مطلع اور مقطع نقل کیا ہے، ورنہ ان غزلیات کے اکثر اشعار انتخاب میں شامل ہیں،

دیوان شمس تبریز	غزلیات مولینا روم و فرزند مولانا لوالدہٗ قدس اللہ وجہہ،
اندر آ ای اصل اصل شادمانی شاد باش	اندر آ ای اصل اصل شادمانی شاد باش
اندر آ ای آب آب زندگانی شاد باش	اندر آ ای آب آب زندگانی شاد باش
گوہر آدم بعالم شمس تبریزی توئی	گوہر آدم بعالم شمس تبریزی توئی
از تو حیران شدہ بحر معانی شاد باش	از تو حیران شدہ بحر معانی شاد باش
(کلیات شمس تبریز لکھنؤ ص ۱۳۴)	(ورق ۶ سے پہلے کا صفحہ)

مقطع میں شمس تبریز کا نام اور تعریف قابل غور ہے،

لوالدہ طیب اللہ مرقدہ،

سر قدم کردیم و آخر سوئے بیچون تاختیم	۲ سر قدم کردیم و آخر سوے بیچون تاختیم

عالمے برہم زدیم وچیست بیرون تاختیم
سوئے شمع شمس تبریزی بہ بیشہ شیر جان
بودہ پروانہ نہ پنداری کہ اکنون تاختیم

(ورق ۶)

عالمے برہم زدیم وجبست بیرون تاختیم
سوئے شمع شمس تبریزی بہ بیشہ شیر جان
بودہ پروانہ نہ پنداری کہ اکنون تاختیم

(ک ۵۲۹ وص ۲۱۰)

۳

لوالدہ عفی اللہ عنہ

اے تو جانِ صد گلستان از سمن پنہان شدی
اے تو جان جان جانم چون تہ بین پنہان شدی
شمس تبریزی بجاہی رفتہ چو یوسفی،
اے تو آب زندگی چون از زمین پنہان شدی

(ورق ۱۳)

اے تو جانِ صد گلستان از سمن پنہان شدی
ای تو جان جان جانم چون زمن پنہان شدی
شمس تبریزی بجاہی رفتہ چون یوسفی
اے تو آبِ زندگی چون از زمین پنہان شدی

(ک ردیف ی)

۴

لوالدہ طاب اللہ مرقدہٗ

آمدہ شہر صیام سنجق سلطان رسید
لشکر انوار جان کوری شیطان رسید

(ورق ۸۷)

آمدہ ماہ صیام سنجق سلطان رسید
دست بدار از طعام مائدہ جان رسید

(ک ۲۹۰)

۵

لوالدہٗ نور اللہ مرقد

صبحدمی ہمچو صبح پردۂ ظلمت درید
نیم شبے ناگہان صبح قیامت دمید
چون کہ تبریز چشم شمس حقم را پدید،
گفت حقش پرشوی گفت ہل من مزید

(ورق ۹۰)

صبحدمی ہمچو صبح پردۂ ظلمت درید،
نیم شبے ناگہان صبح قیامت دمید
چون کہ تبریز چشم شمس حقم را پدید
گفت حقش پر شدی گفت ہل من مزید

(ک ۳۰۱)

لوالدہ عفی اللہ عنہ ۶

شاہ کشادست و دیدہ شہ بین کجا کراست
بادہ گلگون شہ برگل و نسرین چراست
خسرو جان شمس دین مفخر تبریزیان
در دو جہان ہیچ او شاہ خوش آئین کراست
(ورق ۵۹ سے پہلے کا صفحہ)

شاہ کشادست او دیدہ شہ بین کراست
بادہ گلگون شہ برگل و نسرین کراست
خسرو جان شمس دین مفخر تبریزیان
در دو جہان ہیچ او شدہ خوش آئین کراست
(دیوان شمس تبریز ص ۹۳)

لوالدہ سر اللہ عیوبہ ۷

بر چرخ سحرگاہ یکی ماہ عیان شد
از چرخ فرود آمد و در ما نگران شد
بے دولت مخدومی شمس الحق تبریز
نے ماہ توان دیدن و نے بحر توان شد
(ورق کا شمار نہیں)

بر چرخ سحرگاہ یکی ماہ عیان شد
از چرخ فرود آمد و در مان نگران شد
بے دولت مخدومی شمس الحق تبریز
نے ماہ توان دیدن و نے بحر توان شد
(دیوان شمس تبریز ص ۸۳)

لوالدہ اصلح اللہ شانہ ۸

اے بہار سبز و تر شاد آمدی
وے نگار سیمبر شاد آمدی
شمس تبریزی کہ عالم از رخت،
ہست مست و بے خبر شاد آمدی
(ورق بلا شمار ہے)

اے بہار سبز و تر شاد آمدی
وے نگار سیمبر شاد آمدی
شمس تبریزی کہ عالم از رخت،
ہست مست و بے خبر شاد آمدی
(دیوان شمس تبریز ص ۲۶۲)

لوالدہ غفر اللہ ذنوبہ ۹

سالکان راہ را ہمدم شدم	سالکانِ راہ را محرم شدم،

ساکنان قدس را ہمدم شدم	ساکنانِ قدس را ہمدم شدم۔

عید اکبر شمس تبریزی بود،	عید جانم شمس تبریزی بود

عید را قربانی اعظم شدم،	عید را قربانی اعظم شدم

اس سے یہ حقیقت بے نقاب ہوجاتی ہے، کہ دیوان شمس تبریز مولینائے روم کی طبع آزمائی کا نتیجہ ہے، اور انہی کے واردات قلب کا ترجمان ہے،

اسکے علاوہ یہاں دو باتین ہماری توجہ کو اپنی طرف منعطف کرتی ہین، ایک تو یہ ہے کہ ان منتخبہ غزلیات میں بھی مقطعون میں حضرت شمس کا ذکر اور ان کی مدح آتی ہے، ٹھیک اسی طرح کم وبیش دیوان کی ساری غزلیات میں حضرت شمس کا نام اسی انداز کی تعریف و توصیف کے ساتھ آتا ہے، بادی النظر میں یہی پہلی وجہ ہوتی ہے جس سے ناظر یہ خیال کرتا ہے، کہ یہ حضرت شمس کا کلام ہے، لیکن انتخاب کی ان غزلیات اور ان کے مقاطع میں حضرت شمس کے نام نے اس خیال کو باطل کر دیا، اور یہی نتیجہ دیوان کے بغور مطالعہ کے بعد حاصل ہوتا ہے، اس نسخہ کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ مرتب کو اس میں بالکل شبہہ نہ تھا، کہ یہ کلام مولینا کا ہی صاف معلوم ہوتا ہے، اُسنے کامل یقین اور اذعان اور مطالعہ کے بعد ان غزلیات کا انتخاب کیا ہے، اس بات نے ہمارے مدعا کو روشن تر کر دیا ہے،

بابِ دوم

داخلی شہادت

خاموش کردم این زبان باکس نگویم این زمان　　شد شمس تبریزی عیان بر مصحفِ دیوانِ ما

(دیوان شمس تبریز) (رومیؒ)

داخلی شہادت، | حتی الامکان ہم نے اپنے مدعا کے اثبات میں تاریخی شہادت اور خارجی شواہد پیش کر دیے، خارجی شواہد میں بعض نہایت قوی اور ایقان آفرین دلائل ہاتھ آ گئے، جس سے شک و شبہہ جاتا رہا، لیکن اس سے اہم اور واضح ترین شہادت وہ ہے، جو ہمیں دیوان ہی سے ملتی ہے، یہاں مماثلت، اشتراک اور تقابل کی بحث نہیں ہے، یہاں خود مولینائے روم کی زبان سے اس سوال کا شافی جواب ملجاتا ہے، اور طالبِ حقیقت اس سے اطمینان کی آخری منزل پر پہنچ جاتا ہے،

اکثر فارسی شعرا کا قاعدہ ہے کہ غزل یا قصیدہ کے مقطع میں بالعموم اپنا تخلص لاتے ہیں، جس سے پڑھنے والے کو اس کا علم ہوتا ہے، کہ یہ کلام کس کا نتیجۂ فکر ہے، بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ مقطع بلا تخلص لکھا گیا ہو، لیکن مولانائے روم کی یہ عادت نہیں، انھیں صرف فکر کلام ہی ہے، فکر نام یا پابندیِ رسمِ عام بالکل نہیں، مثنوی معنوی میں بھی شاذ و نادر ہی اپنا ذکر کرتے ہیں، یا اپنا تخلص یا نام لاتے ہیں،

دیوان شمس تبریزیہ کے متعلق ایک غلط فہمی

دیوان میں بھی یہی حال ہے، ان کا اپنا تذکرہ یا اپنا تخلص ڈھونڈنے والے کو بھی مشکل سے ملتا ہے، لیکن ایک بات نہایت عجیب ہے وہ یہ کہ کم وبیش تقریبًا ساری ہی غزلیات کے مقطعوں میں شمس تبریزیہ کا نام ملے گا، کہیں کہیں مقطعوں میں بھی ہے کہیں غزل کے درمیان شمس کی مدح اور ان کا نام آتا ہے، یہ وہ بات ہے جس کے باعث بادی النظر میں دیوان کا سرسری پڑھنے والا یا دیکھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ یہ شمس تبریزیہ نور اللہ قبرہ کا دیوان ہے، حالانکہ یہ غلط ہے اور ادنیٰ توجہ سے دیوان پر نظر ڈالنے والا بھی کم سے کم اس نتیجہ پر تو پہنچ ہی جاتا ہے، کہ یہ شمس تبریزرح کا کلام نہیں بلکہ ان کے کسی عاشق بیتاب اور مضطرب الحال مداح کا ہے، واقعہ کیا ہے، خود مولینارح ہی کی زبان نے اس کا جواب دیا ہے،

از ماہ بپرسید کہ خورشید پرستیم ، جز قصہ شمس الحق تبریز مگوئید

(دیوان شمس تبریزص ۲۰۱)

قونیہ کے بدر کامل مولینا روم نے دیوان میں در اصل شمس تبریزیہ کے اسرار اور انوار کا ذکر فرمایا ہے، حسب سابق یہی ہمارا دعویٰ ہے، اب ہم شرح وبسط کیساتھ دلائل پیش کریں گے،

مدح شمس تبریزرح

یہ تو سب جانتے ہیں، کہ غزلیات میں حضرت شمس تبریزیہ کا نام کثرت سے آتا ہے لیکن اس پر بہت کم غور کیا جاتا ہے، کہ یہ نام کس حیثیت سے آتا ہے،

حضرت شمس تبریزیہ کا نام کم وبیش ہر ایک موقع پر ممدوح کی حیثیت سے آیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ اس کلام کے مصنف شمس نہیں بلکہ کوئی مداح شمس ہیں،

اس پر لوگ اعتراض یہ کرتے ہیں کہ شاعر اپنی آپ توصیف کرتے ہیں وہ ایسی ہی تعریف ہوگی جسکی بنا پر یہ غلط فہمی ہوئی کہ یہ کلام شمس تبریزیہ کا نہیں بلکہ کسی دوسرے کا ہے،

یہ سچ ہے کہ بعض فارسی شعرا خصوصًا قصائد میں اور کسی قدر غزل میں اپنی لیاقت اور

اور اپنے علم وفضل پر شاعرانہ تعلّی کرتے ہیں، یا شرافت نسب پر اظہار فخر کرتے ہیں، جیسے عرفی اس خصوص میں مشہور ہے، ؎

اقبال سکندر بجہانگیری نظمم — برداشتہ بیکدست قلم را علم را

غزل میں بھی کہیں کہیں اور کبھی کبھی شاعر کسی خاص پیرایہ میں یا اپنے آپ کو غیر فرض کرکے اپنی تعریف کا کوئی پہلو نکالتا ہے لیکن اسکی حیثیت شاعرانہ تعلّی سے زیادہ نہیں ہوتی، یہ تعلّی کبھی کبھی بڑی حد تک حقیقت پر مبنی ہوتی ہے، جیسے ڈاکٹر اقبال کا شعر ہے،

بیا اینجا که در هندوستان دیگر نمی بینی — برهمن زاده رمز آشنائے روم و تبریز است

یا حافظ شیرازؒ حاسد سے مخاطب ہوکر فرماتے ہیں،

حسد چه می بری اے سست نظم بر حافظ — قبول خاطر و لطف سخن خدا داد است

در آسمان چه عجب گر ز گفته حافظ — سماع زہره برقص آورد مسیحا را

لیکن ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا کہ ہر غزل میں، مقطع میں، مطلع میں، غزل کے درمیان میں جابجا کوئی شاعر اپنے کمال، اپنے علو مرتبت، اپنی روحانی فضیلت کا طومار باندھ دے، اور سارے دیوان کو صرف اپنا قصیدہ مدحیہ بنا دے، خصوصاً جب کہ شاعر کوئی خودپسند، نفس پرست، طالب زر دربار داری کرنے والا شخص نہ ہو، بلکہ غیور حق پرست اہل دل ہو، اور مقدس شخصیت رکھتا ہو، دیوان شمس تبریز میں شمس کا نام کسی خودپسند مداح کی حیثیت سے نہیں، بلکہ ممدوح ذیشان کی حیثیت سے آیا ہے، مدح تو مسلم ہے، لیکن مدح کی نوعیت بھی تو قابل غور ہے،

ہم ان مداحیہ اشعار میں سے چند اشعار درج کرتے ہیں، جن سے مدح کی نوعیت اور ممدوح کی حیثیت دونوں کے متعلق صحیح اندازہ ہوجائے گا، مختلف غزلیات کے مطلعوں، مقطعوں، اور غزل کے درمیان میں حضرت شمس کا نام اسطرح آتا ہے،

هر قطره ز بحر شمس تبریز، مانند صدف هزار دریاست

عاشقان عشق را بسیار با زیبها دهیم | چونکه شمس الدین تبریزی کنون شیدا ما
چون درختے دانہ بینی مرغ کے بینی درو | پس چه گویم با تو جان جان این تبریزیا
در د شمس الدین بود سرمایه درمان ما | بے سر و سامانی عشقش بود سامان ما

ایک مدحیہ غزل کے اشعار یہ ہیں ،:-

شمس تبریزی چو نمائی جمال | جانفزائی جانفزائی جانفزا
شمس تبریزی تو ئی ہادی دل | رہنمائی رہنمائی رہنما
شمس تبریزی ز عشقت سوختم، | جان مائی جان مائی جان ما،

بعض غزلیات میں مسلسل دو دو شعر مدح کے ہیں،

دم مزن و ترک کن بہر دل شمس دین | زفت و اشارات را نظر و عبارات را
می برد از بہر جان سالک اہل عیان | شمس که جانها از دیافت مراعات را
آمد نسیم عشق ز تبریز جانفزا | آورد صد ہزار پیام از دم صبا
اے ایاز دل و جان شمس حق تبریزی | نیست در ہر دو جہان چون تو شہ محمودے
شمس تبریز چو شمس فلک از نور تو است | نور بخشنده همه را از نظر بینائے،
شمس تبریزی تو ما را محو کن | زانکه تو چون آفتابے ما چو مہ
مفخر تبریزیان شمس حق دین | ہست چو خورشید و مہ نیست مگر فانئے
تو شمس دولت و دینے بخواجگی چو نشینی | صد آفتاب فلک را چو بندگان نشانی
نشنوی ذاکر مناقب شمس | تا سر از جیب او بدر نکنی،
مخدوم شمس الدین شہم ہم آفتاب و ہم مہم | بر خاک از من سر نہم ہم سر بود زان متہم

عشق شمس الحق تبریزی رہ قبلۂ دین ۔۔۔ جز بدین دولت باقی بچہ باشیم سزا

بلا دانا شناسد شمس تبریز ۔۔۔ ترا این مردم نادان چہ دانند

کسے کز جان غلام شمس دین نیست ۔۔۔ زعشقش جان او خرم نگردد،

درمیان غزل میں ہے،

نداند سرو برگ کار آن را، ۔۔۔ درختے راکہ شمس الدین نشاند،

چو شمس الدین تبریزی درآید، ۔۔۔ بیک دم زان ہمہ دامت رہاند،

مدح کے یہ اشعار جن میں بعض مقطعے اور مطلعے ہیں، اور بعض غزل کے درمیانی حصے ہیں، ہمارے پیش نظر ہیں، ان میں کہیں تو حضرت شمس کو ایک بحر حقیقت سے تشبیہ دی گئی ہے، اور اسکے ہر قطرہ کو ہزار دریا کے مانند بتایا گیا ہے، کہیں شمس کے "درد عشق" کو اپنے لئے درمان سمجھا گیا ہے، کسی شعر میں شمس کے مرتبۂ عظمت کا اظہار اسطرح کیا گیا ہے، کہ وہ چاند اور سورج ہیں لیکن لا فانی،

کہیں مدحت کا یہ انداز ہے کہ حضرت شمس کی رفعت مکان کو آفتاب اور ماہتاب سے بلند تر ظاہر کیا گیا ہے، اور اسطرح اپنے آپ کو انکے آگے "سجدۂ تعظیمی" کے قابل بھی نہیں سمجھا،

کیا مدح اور تعریف کے یہ سارے اعتبارات کسی شاعر نے اپنے لئے استعمال کئے ہیں، یا کر سکتا ہے، کیا وہ ایسے اوصاف کو کثرت سے اپنی طرف منسوب کر سکے گا؛ جواب جب نفی میں ہے تو پھر مدح کسکی ہے،

کیا شمس تبریز اپنی زبان سے اپنی مدح میں اس کثرت اور عقیدت کو کام میں لا سکتے ہیں، ہرگز نہیں،

اس سے یہ تو ثابت ہوتا ہے، کہ یہ مدح یا مداحیہ کلام کسی طرح شمس تبریز کا اپنا نہیں، بلکہ کسی غیر کا ہے، جس کا دل اور زبان دونوں مدح شمس میں اپنی ارادت و

عقیدت کی تسکین پاتے ہیں،

چنانچہ اس سے دیوان بھرپڑا ہے، دیوان کے علاوہ مثنوی معنوی میں کئی اشعار مدح شمس میں ہیں جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مادح کون ہے اور ممدوح کسکی ذات والاصفات ہے،

شمس تبریزی کہ نور مطلق است، آفتاب ست وز انوار حق است،

چون حدیث روے شمس الدین رسید شمس چارم آسمان رو در کشید،

خود غریبی در جہان چون شمس نیست شمس جان باقی ست کو را امس نیست

در تصور ذاتِ اورا گنج کو، تا در آید در تصور مثل او،

ہم مدح کے کچھ اور ایسے اشعار درج کرتے ہین، جو مندرجہ بالا اشعار سے زیادہ واضح طور پر مدح کی نوعیت کو ظاہر کرتے ہین،

ز عشق شمس دین این طرفہ بندے، کزان بندم کشایش بود چندے،

ز شمس الدین بود وصفِ خدائی کہ می جوشد بدریائے بقائے،

ز شمس الدین بود جائز شرابے کزو جانست سرمست و خرابے

خسرو مشرق شمس دین از تبریز چون رسد از مہ و از ستارگان واللہ عار آیدت

شمس تبریزی در آمد در دلم بنہاد وز شراب عشق او گشت این دو رود مست دیوار

شمس تبریزی ہمی تو شمس گردون ذرہ بے تو می باید کسوف و با تو می باید حیات

عقیدت مند مادح سارے عالم کو نورِ شمس سے پر نور پاتا ہے،

شمس تبریزی ز تو عالم پر از نور و صفات ذرہ ذرہ از محیط لطف آن آثار ست

شمس تبریزی صلاح اہلِ عالم آمدست آنکہ خاکِ پایش آمدے ریاست آمدست

عشق شمس تبریز میں عقیدت مند شاعر سامان بقا دیکھتا ہے،

بعشقِ شمس تبریزی بدہ جان ، که تا چون عشقِ او پاینده باشی

مستیم ز جامِ شمس تبریز جامِ مئے او مبادا بے ما

ایک غزل کا مطلع یہ ہے،

از دور بدیدہ شمس دین را، فخرِ تبریز و رشکِ چین را

شمس سے ارتباطِ معنوی کا ذکر اس شان سے ہے،

شمس تبریزی جماعت از تو و از تو جمعیت فرض و سنت نیست الا دوستی تو مرا

اس مخلص اور ارادتمند کو شمس کی نسبت سے شہرِ تبریز بھی عزیز تھا، شمس کی مدح سے تو دیوان بھرا پڑا ہے، لیکن تبریز کی ثنا و تعریف میں بھی کئی غزلیں ہیں، ان میں ایک غزل کا مطلع ہے؛

دیدہ حاصل کن دلا وانگہ ببیں تبریز را بے بصیرت کے توان دیدن چنیں تبریز را

ایک غزل کے آخر میں یہ مدحیہ اشعار مسلسل ہیں،

اے دل خامشی گزین و ز بر ما جدا نشین تا ز جنابِ شمس دین نورِ حیات میرسد

گوہرِ ناب شمس دین جامِ شراب شمس دین ہر سحرم از عطاے او قدر و برات میرسد

نقل و کباب شمس دین چنگ و رباب شمس دین ہر نفسم ز بزمِ او بہرہ ثبات میرسد

اے شہ و شاہ شمس دین قدرتِ حق جلال بین بشنو اے مرید جان کاین چہ برات میرسد

ہر کہ نام شمس تبریزی شنید و سجدہ کرد روحِ او مقبولِ حضرت شد انا الحق میزند

کیست آنکس کو چنیں مردی کند اندر جہان شمس تبریز آنکہ ماہ بدر را شق می کند

شمس الحق تبریزی شاہ ہمہ شیرانست در بیشۂ جان با آن شیر وطن دارد

ہرگز نشود غافل از ذات و صفاتِ حق ہر کس کہ ز شمس یک ذرّہ نظر یابد،

یہ پوری غزل مدحِ شمس ہی میں ہے،

جانم بفدائے شمس دین، تا ہمچو رضائے شمس دین شد
جان ملکی و جسم خاکی، خاک کف پائے شمس دین شد
رضوان بہشت و ساکنانش، سرمست رضائے شمس دین شد

(الی آخرہ)

انتہائی تعریف ہے،

اے شمس الدین شاہ تبریز، از بندگیت تنهنشہانیم،
شمس الدین تبریزی بر لوح چو پیدا شد، واللہ کہ بسے منت بر لوح و قلم دارد

کثرت مدح گوئی سے یارائے گفتن ہی نہ رہا، تو فرماتے ہیں،

شمس تبریز کنون کز تو سخن گشت انبسیط، زہرۂ ما نبود تا دم گفتار زنیم

لیکن یہ عاشق مخلص و مضطرب جسکی گفتار کا جزد مدح شیخ ہے، خود تعریف کرتے کرتے تھک گیا ہو تو دوسرون کو حکم دیتا ہو کہ شمس کی مدح کرین،

اے حسام الدین جان کن مدح آن سلطان عشق، گرچہ منکر در ہوائے عشق او دم میزند
شمس تبریزی ستادہ مست در دستش کمان، تیر زہرآلودہ را بر جان احمق میزند

یہ اشعار بھی مدحیہ ہین لیکن تعریف و توصیف زیادہ نمایان ہی،
ان اشعار کو درج کرنے اور مبہم اور واضح مدحیہ اشعار کو پیش کرنے کا مقصد صرف یہی ہے کہ اس مدح کی نوعیت ظاہر ہو جائے، جو شمس تبریز کے نام کیساتھ دیوان شمس تبریز میں پائی جاتی ہے، اس سے یہ یقین پیدا ہو جاتا ہے، کہ وہ کلام جس کے اجزا یہ مدحیہ اشعار ہین، خود حضرت شمس جیسے ولی کامل کا نہیں ہے، کیونکہ اس مدح کی نوعیت کاملاً نہایت عقیدتمندانہ اور ارادتمندانہ ہے، یہ تحسین ہرگز شاعرانہ تعلی نہیں ہوسکتی،

تاریخ وتذکرہ کے اوراق پیش نظر ہون تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ مداح کون ہے اور حضرت شمس سے اس قدر وابستگی کسکو ہے؛

سپہ[1] سالار حضرت شمس اور مولینائے روم کے روابط کے ذکر مین لکھتے ہیں، جب جناب شمس دمشق تشریف لے گئے، تو مولینا نے کئی غزلین لکھکر بذریعہ سلطان ولد حضور کی خدمت باسعادت میں روانہ کین، ان میں حضرت شمس کی رفعت شان اور عظمت مقام کا ذکر اس رنگ میں ہے؛

بخدائے کہ در ازل بودہ است　　حیّ دانا و قادر و قیّوم

نور او شمع ہائے عشق افروخت　　تا بشد صد ہزار سرّ معلوم

از یکے حکم او جہان پر شد　　عاشق و عشق و حاکم و محکوم

در طلسمات شمس تبریزی　　گشت گنج عجائبش مکتوم

یہ مولینا روم ہین، جنھون نے شمس تبریز کو "گنج عجائب" لکھا ہے، اور خدائے قادر وقیم کی قسم کے بعد حضرت شمس کی توصیف وتعریف کرتے ہیں، مندرجہ بالا مدحیہ اشعار اور اس تعریف میں قطعی یکسانیت ہے، ضرور ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مدحیہ اشعار اور وہ کلام جس کے یہ اجزا ہین مولینا ہی کا ہے،

آخری شعر تو اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ کلام مولینا ہی کی زبان فیض اثر پر جاری ہوا ہے، آپنے کثرت مدح وذکر سے بیتاب اور ناتوان ہو کر حضرت حسام الدین کو حکم کیا ہے کہ وہ مدح اس سلطان عشق کی کرین، حضرت حسام الدین کی عظمت اور مولینائے روم سے ان کے روابط کا اندازہ سپہ سالار کے اس بیان سے ہو سکتا ہے،

"ذکر رابع در خلافت حضرت حسام الدین عظم اللہ درجاتہ؛"

[1] رسالہ سپہ سالار ص۶۷،

"بعد از شیخ صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ درحال حیات حضرت خداوندگارانہ سام تمام وبعد از ان نیز شیخ قائم مقام وخلیفہ وامام تمامت اصحاب حضرلشن بود"

(سپہ سالار ص۳)

صرف مولینائے روم ہی کے ساتھ حضرت حسام الدین چلپی کے تعلقات اس قدر عاجزانہ اور مؤدبانہ تھے، کہ ان کے کوئی دوسرا شخص ان کو بطور حکم کچھ نہ کہہ سکتا تھا، کیونکہ انکا مرتبہ یہ تھا

"تمامت اصحاب ملازم ایشان بودند وملازمت او تقرب بحضرت خداوندگار می جستند"

(سپہ سالار ص۳)

اس بیان سے واضح ہوگیا کہ سارے مدحیہ اشعار اس مداح کے ہیں، جس نے کثرتِ مدح سے تھک کر حضرت حسام الدین سے مدح کی فرمائش کی، اور تحقیق سے معلوم ہوا، کہ حضرت حسام الدین کو مدح کا حکم فرمانے والی مولینا روم کے سوا کوئی اور ہستی نہیں ہو سکتی، پس دیوان شمس تبریز جو ایک حیثیت سے حضرت شمس کی مدح کا مجموعہ اور ان کے مناقب کا ذکر ہے، وہ مولینائے روم کا کلام ہے، اور مولینائے روم ہی جسم وجان سے عشق شمس اور مدح شمس میں مضطرب بنے ہوئے ہیں،

زہیر عشق شمس الدین تبریز شدہ جان مضطرب دین چو زبانست
شمس الحق دین جو یم من مدحتِ او گویم از عشق رخش پویم آہستہ کہ سرمستم

سلہ مولینا روم کے ساتھ ان کے مؤدبانہ طرز عمل کے متعلق سپہ سالار کا بیان ہے ص۳۲ "از جملہ آداب او آن بود کہ ہرگز در مدتِ ملازمت از حضرت خداوندگار قطعاً بتوضائی کہ بدیشان منسوب بود، در نیامد، در شبہائے زمستان بوجود سرما و برف باران بسرائے خویش رفتے وتجدید وضو کردہ باز آمدی ودوایم درحضور خداوندگار قدس سرہٗ بجانوسے اراد تنشستہ بودی، لاجرم بدین ادب سلوک یافت انچہ یافت"

فیوض حضرت شمس کا اعتراف، ہم نے مدح شمس اوسکی نوعیت اور مداح شمس کے متعلق گفتگو کی ہے، حیرت یہ ہوتی ہے کہ مولانائے روم جیسا جلیل القدر عالم وعارف حضرت شمس کی مدح وثنا کیوں کرتا ہے، اور وہ بھی اس جوشِ عقیدت سے، کوئی شخص بے وجہ کسی کی ثنا وتعریف نہیں کرتا، یا تو کسی کا بیحد ممنون ہوتا ہے، یا اسے کسی صلۂ خاص کی امید ہوتی ہے، درباری اور خوشامدی شعراء تو صرف طلبِ زر یا ہوسِ جاہ کے باعث اہلِ دولت کی مدح میں دل ودماغ زبان اور قلم کا زور صرف کرتے ہیں، لیکن حضرت رومی جیسے عارفِ حق شناس کو کسی ایسے اعتبار سے کیا سروکار" مولینا روم کو کوئی ایسا فیضِ باطنی اور نعمتِ عظمیٰ حضرت شمس کی ذات سے پہنچی ہو کہ انکی ثنا کو فطرت اور ان کا قدر شناس دل اس کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکتا تھا،

مولانائے روم حضرت شمس کی ملاقات سے پہلے زیادہ تر بحیثیت ایک عالم ظاہر کے "اخبارِ رسول" سے واقف تھے لیکن جب شمس سے ملاقات ہوئی، تو خاص طور پر "اسرارِ رسول" کا آفتاب جہانتاب ان کے مطلعِ دل پر طلوع ہوا،

چون نور پاک شمس در پردۂ جان دیدمش بے پردہ جان یافتم سررشتۂ اسرار را

شمس کی اس فیض بخشی اور نوا فشانی کا اعتراف بارہا مختلف پیرایہ میں کیا ہے، ہم چند اہم مثالیں درج کرتے ہیں، جس سے حقیقتِ حال کا اندازہ ہو جائے گا،

حضرت شمس کے فیضِ معنوی کا اظہار فرماتے ہیں،

مگہ بہ ز نور شمس تبریز، تا کشف شود ہمہ معانی
شمس الحق تبریز من این شہد شکر ریز من صد شور و شر افگندۂ اندر دل شیدای من
ہرکہ او با شمس تبریزی نشست گشت صافی دل ز انوار قصار
ز عشق شمس تبریزیست فیضِ دیدۂ باطن زہے تشریف کرمنا زہے انوار ربانی

سجدہ کن بہر نفس از پئے تشکر آنکہ حق | در تبریز مرمرا بندۂ شمس دین کند،
ہر کہ زجان و دل نشد چاکر شمس دین ما | در رہِ علم و معرفت غافل و کور می رود
بفروز شمع جان را ز جمال شمس تبریز | کہ دلت شود مصفا ز کدورتِ نہانی
و اگر نہ اے دو دیدہ بدہم ز خاک تبریز | ز برائے کحلِ دیدہ بکف صبا غبارے
ز رحیق شمس دینم تو بیار بادہ ساقی | کہ شود سوار جانے و دل پیادہ ساقی
چو شمس الدین تبریزی شود سرمست جام حق | ہزاران گو ہر معنی بفرق ما فرو ریزد

مولینا یہاں اپنی ممنونیت کی انتہا ظاہر فرماتے ہیں،

منکر از دیدہ انکار سوئے دیدۂ شمس | ہر چہ ہستم سگِ این کوچہ و این درگاہم

حضرت شمس سے اپنی نسبت کی نوعیت بیان فرماتے ہیں،

شمس تبریز کہ مشہور تر از خورشید است | منکہ پیمانہ ہستم چو قمر مشہورم،
شمس تبریز بما راہِ حقیقت بنمود، | ما ز فیض قدم اوست کہ ایمان داریم

جب حضرت شمس تبریز قونیہ تشریف لائے اور مولانا نے ان کی صحبت کیمیا خاصیت اختیار فرمائی تو یہاں اس صحبت نے خلوت کی صورت اختیار کی، شیخ صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ کے سوا کسی کو خلوت میں داخل ہونے کی اجازت نہ تھی، اکثر اصحاب فیض صحبت سے محروم رہے، ایک مدت تک تحمل کرتے رہے، لیکن اس عالم فراق سے رہائی کی کوئی صورت دکھائی نہ دی، آخر کار بدبختی سے ان کے دلوں میں حسد کی آگ پیدا ہوئی، اور انھوں نے متعصبانہ حرکات شروع کر دیں، اپنی ارادت کو شیخ کی ارادت پر فضیلت دی، فسق کو عشق جانا، جب ان کی گستاخیاں حد سے زیادہ گزرگئیں، اور اندیشہ فتنہ کا ہوا تو حضرت شمس از روے مصلحت دمشق کی طرف روانہ ہو گئے، مولینا نے بھی سب سے متنفر ہو کر عزلت نشینی اختیار کی،

حضرت شمس کی جدائی کا ذکر دیوان میں،

"بعد از ہجرت ایشان خداوندگار از تمامت اصحاب انقطاع و عزلت اختیار کرد"[۱]

حضرت شمس کے فیض اور ان کے دشمن کی بدبختی کا اظہار اس شعر مین کیا ہے،

اے شمس تبریزی مرا مقبول و کامل ساختی ۔۔۔ وآنکس کہ آہ دشمنت ملعون و ابتر ساختی

ایک اور موقع پر حضرت شمس کے فیض کو اسطرح بیان فرماتے ہین،

جان را برآر و بر سما از عزت رب العلا ۔۔۔ گر زان کہ شمس الدین کند بر عاشق خود یاوری

مولانا ہی وہ عاشق تھے، جن کی یاری اور دلداری کی خاطر حضرت شمس قونیہ تشریف لائے، سپہ سالار کی شہادت ملاحظہ ہو،

"سبب ہجرت مولینا شمس الدین تبریزی عزاسمہ بطرف روم و پیوستن بحضرت خداوندگار آن بود کہ وقتی مولینا شمس الدین در وقت مناجات می فرمود کہ ہیچ آفریدہ از خاصان تو باشد کہ صحبت مرا تحمل تواند کردن، در حال از عالم غیب اشارت رسید کہ اگر حریف خواہی بطرف روم سفر کن در حال ازان جاے متوجہ ولایت روم گشت و شہر بشہر جویان گشت تا بمحروسہ قونیہ حرسہا اللہ تعالیٰ برسید"

دیوان میں ایک اور شعر ہے، جس میں اسی واقعہ اور اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے،

شمس تبریزی بروم آمد بر من شام بود ۔۔۔ وقت صبحی من بہ تبریزش خرامان یافتم

اپنی سرمستی اور باطنی انقلاب کے متعلق لکھتے ہین،

شمس الحق تبریزی تا داد مرا جامے ۔۔۔ از جوشش صہبایش شوریدہ و سرمستم

اگر آپ معلوم کرنا چاہتے ہین، کہ یہ شوریدہ و سرمست کون ہے، تو دیوان میں خود

---

[۱] سپہ سالار صفحہ ۶۶،

ہی جواب دیتے ہیں،

رومی پیسر راہ ملامت شد بہشت — اے خلق بدانید کہ ما عاشق و مستیم،

حضرت شمس کی ملاقات کا اثر، مولینا کی شاعری پر اسکا ذکر دیوان میں

مولینا کی شمس سے ملاقات نہ صرف عاشقانہ مستی و شوریدگی کا باعث ہوئی، بلکہ سخن بخش بھی ثابت ہوئی، سماع اور شعر کا مشغلہ بڑھ گیا، جو کیفیت طاری ہوتی تھی، اسے من وعن اشعار میں بیان کرتے تھے،

سخن بخش زبان من چو باشد شمس تبریزی — تو خامش تا ز بانہا خود چو دل ساکن شد

ان اشعار اور اس بیان کا واقعات اور سوانح سے جو ربط ہے، ملاحظہ ہو،

سپہ سالار کا بیان ہے کہ صحبت شمس سے مولینا پر ایسی شوریدگی اور مستی طاری رہی کہ کھانے پینے کا بھی ہوش ٹھیک نہ رہا۔ چنانچہ پہلی ملاقات کا حال لکھا ہے۔

"در حال ہر دو فرود آمدہ ہمدیگر را معانقہ و مصافحہ کردند و چون شیر و شکر بہم درآمیختہ چنانکہ دفعہ اول مدت شش ماہ آزاد در حجرہ شیخ صلاح الدین زرکوب رحمۃ اللہ علیہ بہم صحبت فرمودند چنانکہ قطعاً و اصلاً اکل و شرب و حاجات بشری درمابین نبود"

(سپہ سالار ص ۶۶)

یہ شوریدگی کا عالم تھا، اب سخن سرائی اور محفل سماع کی کیفیت سنئے:۔

"بعد ازان بیرون آمدہ حضرت خداوندگار را بسماع رغبت فرمود، وحقائقے کہ در شرح آن طولی وعرضے ہست در سماع بدیشان بیان فرمود و بعد از سماع صحبت ایشان مخصوص بود بمولانا شمس الدین"

(سپہ سالار ص ۶۶)

مناقب کا بھی یہی بیان ہے،

"دائماً اسرار در غزلیات می فرمود" (مناقب العارفین مطبع ستارہ آگرہ ص ۲۹۲)

مثنوی میں فیضِ شمس کا ذکر | مثنوی میں بھی حضرت شمس سے فیض کا ذکر مختلف مقامات پر ہے'

واجب آمد چونکہ بردم نامِ او، شرح کردن رمزے از انعامِ او

از وی ار سایہ نشانے می دھد، شمس بردم نورِ جانی می دھد

این نفس جان دامنم برتافتہ است، باز گو رمزی ازان خوش حالہا

تا زمین و آسمان خندان شود، عقل و روح و دیدہ صد خندان شود

من چہ گویم یکرگم ہوشیار نیست، شرحِ آن یارے کہ آنرا یار نیست

شمس در خارج اگر چہ ہست فرد، مثل او ہم می توان تصویر کرد

لیک آن شمسے کہ شد مستش اثیر، نبودش در ذہن و در خارج نظیر

ان اشعار سے یہ امر بالکل عیان ہو جاتا ہے کہ حضرت مولینا روم رحمۃ اللہ علیہ کس آفتاب کے فیض کا ذکر کرتے ہیں، اور ان میں اور شمس میں کیا ربط ہے، دیوان میں جو اس نوعیت کے اشعار پائے جاتے ہیں، ان مین فیض رسان کون ہے اور فیضیاب ذات کس کی ہے،

بالآخر ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ دیوان شمس تبریز جس میں اعتراف احسان اور تشکرِ فیضان شمس کے مندرجہ بالا اشعار پائے جاتے ہین، مولینا روم ہی کا کلام ہے شمس کا نہیں ہے،

دردِ فراق کا اظہار، | حضرت شمس کی مدح اور ان کی فیض رسانی کے اعتراف مین جو جو اشعار ہین، وہ تو نظر سے گذر چکے، اور سوانح تاریخی کی روشنی مین یہ بھی ظاہر ہو گیا، کہ مدح کرنے اور فیض پانے والی ممنونِ احسان شخصیت کسکی ہے،

اب ہم ایسے اشعار کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، جو حضرت شمس کی نامعلوم غیر متوقع جدائی پر لکھے گئے ہین، ان میں آتشِ فراق اور دل کے اضطراب کی تصویر ہے،

ز ہے چشم مرا حاصل شدہ آئینِ خونریزی، ز ہجرانِ خداوندی شمس الدین تبریزی

اندر طلب تو شمس تبریز، جائز است مدام جست و جوئی،

ز شمس الدین و لابس دور دوری ز دوری گوئی ہمچو نفخ صوری

اس نظمِ فراق میں یہ جو رنگ ہے، وہ خونِ جگر ہی کا نتیجہ ہے،

خود ببین در نظم شعرم منگر بہر انکہ، دیدہ و دل را ز عشقش ہست خون پالائے،

خون ہمی جوشد منش از شعر رنگے می دہم، نافہ خون آلود گردد جامہ خون آلائے،

من چون جانداری بدم در خدمتِ آن بادشاہ، اینک اکنون در فراقش میکنم جان شائے،

غمِ فراق درد بے دوا ہے،

از فراقِ شمس دین افتادہ ام در تنگنا او مسیح روزگار و درد چشمم بے دوا

تا شمس تبریزی ز من دل برد اے شوریدگان ہر روز از عشق رخش شوریدہ شوریدہ ترم

حالتِ جدائی میں بادِ صبا کے ذریعہ سلام اور پیام بھیجتے ہیں،

باد صبا سلامِ ما جانبِ شمس دین رسان کز نظرِ قبول او راہ بقا بسر بدم،

الا اے شمس دین یکدم عیان شو، کہ در عشقت سرے دارم چون گوئی

درد فراقِ شمس کی منظوم تصویر تو دیوان میں ہم نے دیکھ لی، لیکن سوال یہ ہے کہ وہ عاشق بیتاب کون ہے جو ہجرانِ شمس میں خونریزی کر رہا ہے، جس کی جستجو میں وہ مجسم طلب دوام بنا ہوا ہے، جس کی شوریدہ سری اور خونچکانی کا یہ عالم ہے، کہ کلام سے یہ رنگ صاف ظاہر ہے، ہم تاریخ و تذکرہ سے دریافت کریں کہ وہ کون ہستی ہے، جس کی فراقِ شمس میں یہ حالت ہوئی، تو امید ہے کہ ہمیں جواب شافی مل جائے گا، سپہ سالار حضرت شمس اور ان کے اصحاب کا معتبر ترین تذکرہ ہے لیکن اس میں کسی کے متعلق یہ ظاہر نہیں کیا گیا کہ جدائی شمس سے انکا ایسا حال ہوا، اور ان کی بیتابی کی یہ کیفیت ہوئی؛ ۱۶

البتہ مولانائے روم کے دردِ جدائی شمس کے متعلق سپہ سالار کا یہ بیان ہے،

"صحبت ایشان بخصوص بود مبر لانا شمس الدین بدان سبب اکثر اصحاب از بندگی حضرت ایشان محروم می ماندند، و مدتے بسیار تحمل می کردند، مگر جراحات بعد را مرہم قرب آن ماہی بخشند ہرگز ممکن نہ شد، لاجرم بواعث حسد در نفوس ایشان مستمر گشت ...... عاقبت غبار انکار را بروے کار آوردند و فسق را عشق شمردند، حضرت شان از غبار انکار آن جماعت برہم نمی شد ...... چون از حد تجاوز کردند دانست کہ بعضے خواہد شدن بفتنہ بسیار جہت مصلحت وقت علی حین الغفلہ بمحروسہ دمشق ہجرت فرمود، بعد از ہجرت ایشان خداوندگار از تمامت اصحاب انقطاع و عزلت اختیار کرد ... ناگاہ از حضرت مولینا شمس الدین خداوندگار از محروسہ دمشق مکتوبے آمد بعد از ان حضرت خداوندگار در شوق عشق آنحضرت باز بسماع شد و کلمات و غزلیات انشا فرمود"

تذکرہ و واقعات مین یہ حال سوائے مولانائے روم کے کسی اور سے منسوب ہی نہین، اور یہ غزلیات وہی ہین جنسے درد فراق اور غم جدائی کے چند اشعار ہم نے بطور مثال دیوان سے منتخب کر کے لکھے ہیں، حقایق حیات اور اشعار کا یہ واضح ربط اس امر کی کھلی ہوئی داخلی شہادت ہے کہ دیوان شمس تبریز حضرت شمس کا کلام ہرگز نہیں، بلکہ ان کے جان نثار و عاشق مولینا روم کا کلام ہے،

ابھی سپہ سالار کے بیان سے معلوم ہوا کہ جب دمشق سے ان کے نام حضرت شمس کا خط آیا تو مولانا کو انکا پتہ لگا، اور یک گونہ اطمینان ہوا، دیوان مین اس مضمون کا ایک شعر ہے،

رسید مژدہ بہ شام است شمس تبریزی ۔۔۔ چہ صبحہا بہ نماید اگر بہ شام بود،

مولینا اس حال میں مقیم تو تھے قونیہ میں لیکن دل انکا دمشق مین تھا چنانچہ دیوان سو انکی بھی شہادت ملتی ہے،

ما عاشق سرگشتہ و شیدائی دمشقیم ۔۔۔ جان دادہ و دل بستہ سودائی دمشقیم

از روم بتازیم دگربار سوے شام ۔۔۔ کز طرۂ چون شام مطرائی دمشقیم

از مسکن معروف چو بگرفت دل ما ۔۔۔ ما طالب تالیف ز ابنائے دمشقیم

(کلیات شمس تبریز ص ۴۷۸)

۵
۳۶

اسکے بعد یہ واقعہ پیش آیا کہ سلطان ولد مع ایک مختصر جماعت کے طلب شمس کیلئے بجانب دمشق روانہ ہو گئے اور مولینا نے کئی غزلین لکھکر خدمت شمس میں روانہ فرمائین،

"حضرت خداوندگار قدس سرہٗ این غزل را در طلب حضور شریف مولینا شمس الدین رضی اللہ عنہ انشا کردہ بصحبت سلطان ولد رضی اللہ عنہ ارسال فرمود،

بخدا این کہ در ازل بودست، حیئ و دانا و قادر قیوم،

اسی سلسلہ میں ایک شعر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف یہ ایک غزل نہیں تھی اور بھی غزلیات تھین،

پس بہ ذوق سماع نامہ تو! غزلے پنج و شش بشد منظوم،

(سپہ سالار ص ۷۶)

دیوان میں اسی واقعہ سے متعلق ایک غزل ہے کہ جس کا ایک شعر یہ ہے،:-

ز لوح عشق نوشتیم این غزلہا را، بہ شمس مفخر تبریز ازین غلام برید

حضرت شمس کی قونیہ کو واپسی، جب سلطان ولد حاضر خدمت ہوئے اور مولینا کا سلام و پیام پہنچایا، تو حضرت شمس نے قونیہ کا عزم فرمایا،

"سلطان ولد با تمامت یاران ببندگیش در آمدہ سر بسجدہ عبودیت نہادند و سلام حضرت خداوندگار و مکتوب رسانیدند، مولینا شمس الدین بخندہ خوش فرمود مارا بسیم و زر چہ میفریبید، مارا طلب مولینائے محمدی سیرت کفایت است، و از سخن و اشارت او تجاوز چگونہ توان کردن ..... چون مصالح تمام شد عنان عزیمت بطرف قونیہ روان فرمودند..... چون خبر وصول ایشان بقونیہ برسید حضرت خداوندگار با تمامت اکابر و اعاظم باستقبال بیرون آمدند،..... ہر دو آفتاب حقیقت بہم دگر قرآن کردند..... حضرت خداوندگار قدس سرہ بیش از اول بحضرت مولانا شمس الدین قدس اللہ سرہٗ در آمیخت"،

دیوان میں حضرت شمس کی قونیہ کی واپسی پر جگہ جگہ مسرت و خوشی کا اظہار پرجوش طریقہ پر کیا گیا ہے،

مسکین دل و آوارہ آن گم شدہ یکبارہ	چون بشنود این چارہ خوش رقص کنان آمد
بہار آمد بہار آمد بہارِ خوش عذار آمد	خوش و سرسبز شد عالم اوان لالہ زار آمد



صنوبر گفت راہِ سخت آسان شد بفضلِ شہ	کہ ہر برگے کہ سر بر زد چو تیغِ آبدار آمد
ز شمس الدین تبریزی رسد بادم نو روزی	کہ ہر قطرہ از ان جرعہ چو در شاہوار آمد



بہار آمد بہار آمد بہارِ مشکبار آمد	نگار آمد نگار آمد نگار بردبار آمد
سماع آمد سماع آمد سماعِ بے صداع آمد	وصال آمد وصال آمد وصالِ پایدار آمد



صلایا ایہا العشاق کان مہر و نگار آمد	میان بندید عشرت را کہ یار اندر کنار آمد



مہ دی رفت و بہمن رفت ساقی نو بہار آمد	زمیں سرسبز و خرم شد اوانِ لالہ زار آمد
الا اے شمس تبریزی توئی سبزی ہر بستان	شقائقہا و ریحان ہا ز خوبت خوش عذار آمد

حضرت شمس کی واپسی کے بعد ایک عرصہ تک علم و عمل اور ذوق و حال کی مجلس نہایت گرم رہی،

"مدتے بسیار بریں سیاق از وفاق بے نفاق روز و شب در ذوق و جمعیت می بودند"

شب و روز بصحبت یک دگر مستغرق می بودند"

(سپہ سالار صفحہ ۹۸)

اتفاقاً پھر بعض اصحاب کو حضرت شمس کی طرف سے خلش ہوئی، ان میں علاء الدین چلپی مولنا کے فرزند متوسط بھی تھے، یہ لوگ حضرت شمس کے استخفاف پر آمادہ ہوئے، اور موجب انفعال حرکات ان سے سرزد ہوئے، حضرت شمس کمال حلم سے خاموش رہے، لیکن ایک دن سلطان ولد کو اشارۃً اس حال کی طرف توجہ دلائی، اور اسی دوران میں غائب ہو گئے،

"دران مدت ناگاہ غیبت فرمود حضرت خداوندگار رلی الصیاح چون در مدرسہ آمد، و خانہ را از ایشان خالی یافت، چون ابر بخرشید و روز و شب در فراق آنحضرت غزلیات بمیان می آوردند" (سپہ سالار)

دمشق کی طرف حضرت شمس کی دوبارہ واپسی، دیوان میں اوس کی شہادت، | دیوان میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے،

شہ شمس تبریزی مگر چون باز آمد از سفر   یک چند بود اندر بشر بشنو چو عنقا بے نشان

آخر کار درد ہجر کی شدت سے بیتاب ہو کر حضرت شمس کی تلاش میں مولنا دمشق تشریف لے گئے، کئی اصحاب بھی ہمرکاب سعادت تھے،

"حضرت خداوندگار عظم اللہ ذکرہ جہت حکمت و مصلحت بطلب ایشان باتمامت عزیزان و مقربان بمحروسہ دمشق رفتند" (سپہ سالار ص ۶۹)

مولنا کا سفر دمشق، دیوان میں اس واقعہ کا اظہار، | دیوان میں اس سفر کے متعلق یہ شعر ہے:-

از حد چو بشد درد دم در عشق سفر کردم   یارب چہ سعادتہا کز این سفرم آمد

تاریخ اور دیوان کے اس ربط سے ہمارے اس دعوی کی مزید تصدیق اور تائید ہوتی ہے کہ دیوان شمس تبریز مولنائے روم کے ابیات کا مجموعہ اور انہی کے جذبات کی ترجمانی ہے،

غزل را از زبان شاہ گفتم   کہ شاہم جز کہ جو یا را نخواہد،

چند مزید قطعی شہادتیں

ابتک داخلی ثبوت میں جو براہین ہم نے پیش کئے ہیں، ان کے اثبات کیلئے تاریخ و تذکرہ سے مقابلہ کرنا پڑا لیکن ذیل میں ہم ایسے دلائل پیش کرتے ہیں، جو اپنے آپ اس امر کے قطعی شواہد ہیں، کہ دیوان شمس تبریز مولانائے روم کے افکار کا مجموعہ ہے،

ہم نے گذشتہ بحث میں یہ بیان کیا ہے، کہ مولینا اپنے اشعار میں اپنا نام یا تخلص باندھنے کی رسم عام کے پابند نہیں ہیں، اکثرت غزلیات میں تو حضرت شمس کا نام آیا ہے، لیکن یہ ثابت ہو گیا کہ اسکی نوعیت صاحبِ کلام شاعر کے تخلص کی بالکل نہیں، بلکہ وہ ہر جگہ "اسم ممدوح" کی حیثیت رکھتا ہے، اسکے برعکس جیسے مثنوی میں بھی مولینا کی عادت ہے، دیوان میں بھی کہیں کہیں کسی موقع پر اپنا تخلص ونسب (رومی یا ملائے رومی یا لقب مخفف (جلال) یا خطاب (مولینا) لکھدیا ہے، جو اس امر کی قطعی شہادت ہے کہ دیوان مولینا کا کلام ہے، کیونکہ اگرچہ ان کا نام چند مواقع پر آیا ہے لیکن اسکی حیثیت ممدوح کی سی نہیں جیسے باوجود کثرتِ ذکر کے حضرت شمس کے اسم کی حیثیت ہے، بلکہ یہ نام اس طرح استعمال ہوا ہے جیسے کسی شاعر کا نام یا تخلص اسکے کلام میں آتا ہے،

مولینا دیوان میں اپنی طرف بلفظ مولینا اشارہ کرتے ہوئے اپنی محفل سماع کا ذکر اسطرح فرماتے ہیں،

سماعی می رود در مجلس ما — کہ ذوقش می کند سقف آسمان طے
شراب و شاہد و شمع است مجلس، — نوائے ارغنون و نالۂ نے،
درے خانۂ باقی کشادیم، — صلا در دہ آیا ساقی گوکے،
دریں دریائے توحیدش شدم گم — نہ بے وے می توان بودن نہ با وی
چو مولینا برقص آید زمستی، — بہ رقص آیند موجودات باشے

معاً اپنے آپ کو شاعرانہ طور پر غیر فرض کر کے اور اس کا اعتراف فرماتے ہیں، کہ یہ سب کچھ ان کو حضرت ہی کے طفیل سے حاصل ہے،

نہ مولیناست ایں بحر در افشان　　حقیقت شمس تبریزی ست باوے

حضرت شمس کا نام بار بار دیوان میں کیوں آتا ہے، اس حقیقت کو بے نقاب فرماتے ہیں،

نام شمس الدین تبریزی ہمی گوہر دے　　تا بگیرد شعر و نظمت رونق و رعنائیے

اس مضمون کے دو شعر اور ہیں:۔

برخوان تو حدیث شمس تبریز،　　خوش باش ازین و آن بپرہیز
مفخر تبریز جان شمس حق اے یارِ ما　　رونق گفتار مائی اے زینت اشعار ما

دیوان کو دیکھئے تو یہ ان دونوں صفات کا حامل ہی، جو اسکے ان دو اشعار میں بیان کئے گئے ہیں، دیوان میں جذبات محبت کی جو شدت ہی، حضرت شمس ہی کی وجہ سے ہے، جوش عقیدت کے جو مضامین باندھے گئے ہیں، وہ دیوان کی رونق و رعنائی میں اضافہ کرتے ہیں،

ایک خاص ثبوت، | ایک نصیحت آمیز غزل کے چند اشعار یہ ہیں:۔

ای ز اقلیم عدم آمدہ در ملک وجود　　ہیچ دانی کہ ترا آمدن از بہر چہ بود
بندۂ بادشہی شاہ فرستاد ترا　　تا تو خود را بشناسی و بدانی معبود

اس ناصحانہ کلام کے مقطع میں ارشاد ہوتا ہے،

این نصیحت کہ شنیدی سخن مولیناست　　گفت شمس الحق تبریز بدنیسان فرمود

اپنا حال | ایک غزل اپنے متعلق لکھی ہے، جس کا مطلع ہے،

وقت سحر گہ از درم ملای رومی میرسد،　　قم گفت اے دیوانگان ملای رومی میرسد
گفتم کہ تو دیوانہ، گفتا تو ہم دیوانہ شو　　از خویشتن دیوانہ شو ملای رومی میرسد

مقطع میں بھی حضرت شمس سے خطاب ہے،

ای باد صبح آخر بگو با شمس تبریزی خود　　طبل و علم بر عرش بر ملای رومی میرسد،

اپنے آپ کو مطرب شمس کی حیثیت سے ان کی مدح مین ایک غزل کہنے کا حکم دیتے ہین،

ای مطرب شمس دین بگواین غزل از برائے ۔۔۔ تا دل وجان ودیدہ رابرسرنائی ودف کند

شمس تبریز اور مولینا کا ربط، دیوان میں مولینا نے اپنے اور شمس تبریز کے ربط کا بکثرت مختلف پیرایہ مین اظہار فرمایا ہو، ایک موقع پر فرماتے ہیں،

شمس تبریز است مولانائے روم، ۔۔۔ جملہ عالم عاشقان را سود باد،

رومی روز بعد ہزیمت چہ دست یافت ۔۔۔ از تخت ملک زنگی شب را فرو کشید

شما ایمان نگاہ دارید محکم ای مسلمانان ۔۔۔ کہ مولانائے رومی شود مسلمان بود کافر شد

مولینا نے سلطان ولد کو بھی حضرت شمس کی عقیدت وارادت کے سپرد کر دیا، جو ان کے محبوب ترین فرزند تھے، فرماتے ہین،

چو مولینا ولد را داد بخشش، ۔۔۔ ازین پس ہیچ دنیا را نخواہد،

مولینا اکثر غلبۂ حال کے وقت اشعار اور غزلیات کہتے تھے، ان میں انکے جوش عشق کا تو اظہار پوری طرح ہوتا ہے لیکن حسن بیان، اور شعر کے ظاہری محاسن کی انھیں کچھ پروا نہین، اسپر خود ہی اظہار خیال فرماتے ہین،

شمس تبریز بجز عشق زمن ہیچ مجوئے ۔۔۔ زان کسے داد سخن جو کہ سخندان باشد

ایک شعر میں مولینا رومی اپنا آپ اقرار فرماتے ہین، کہ مولینا رومی کون ہین، جس سے اس لفظ کے متعلق شک وشبہہ دور ہو جاتا ہے،

مولانۂ رومی منم سبلت کن شیطان منم ۔۔۔ تازہ کن ایمان منم دم ز اللہ ہو زنم

ہم پیرم وبرناستم پیراستم برناستم ۔۔۔ پنہا منم پیدا منم من میر مولاناستم

بوئے خمش را در کوزہ فقاع کرد؟ ۔۔۔ شد ہزاران ترک رومی بندۂ ہندو خم

ایک غزل میں حضرت شمس کے ساتھ اپنی وابستگی کا اظہار بڑے جوش سے فرماتے ہیں،

گر بزنی بخنجرم جز رہ عشق نسپرم — رومی خستہ خاطرم دست تست و دامنت

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مولینا کس کے دامن کے متعلق فرماتے ہیں یعنی "دامنت" میں کس سے خطاب ہے، جواب دوسرے شعر میں ہے،

شمس جلال من توئی صبح وصال من توئی — واقف حال من توئی دست تست و دامنت

مولینا کا تخلص، مولینا کا کوئی تخلص خاص طور پر معین نہ تھا، کہیں مولینا کہیں رومی استعمال کرتے ہیں، کہیں اپنے لقب جلال الدین کا پہلا جزو لفظ جلال استعمال کرتے ہیں، سپہ سالار میں ایک شعر نقل کیا گیا ہے،[۱]

چگونہ بر نپرد جان چو از جناب جلال — خطاب لطف چو شکر بجاں رسد کہ تعال

دیوان میں بھی اس کا استعمال بعض مواقع پر کیا ہے،

گر تو شوی تابع مولینا جلال — اظہر شمس است یقیں رہبرم

نگفتمت مرو آنجا کہ ناگہاں چو جلال — میان فتنہ بے عدو منتہات نہند

اس غزل کی قطعیت پر ایک دلیل مزید یہ ہے، کہ مناقب العارفین میں شعر کیساتھ ساتھ اس امر کی تصریح ہو کہ مولینا نے اسے کس محل پر فرمایا،[۲]

ایک خاص دلیل، واقعات سے ظاہر ہوتا ہے، کہ حضرت شمس کی خاطر مولینا سخت امتحان اور آزمائش میں مبتلا ہو گئے تھے، بیٹے علاء الدین، اور دیگر عزیزوں سے تعلق منقطع کر لیا، انکی طرف دیوان میں اشارہ فرماتے ہیں،

خاموش کہ بہر شمس تبریز، — در کوزۂ نار امتحانم،

---

[۱] سپہ سالار ص ۵۵، [۲] سپہ سالار ص ۶۰، ۶۹ مناقب العارفین میں بھی یہ حال تفصیل سے درج ہے،

مولینا کا ایک خاص اقرار | اس بحث سے جو ہمارا مدعا ہے، مولانا نے اسے خود فرمایا ہے،

غزل را از زبان شاہ گفتم،   کہ شاہم جز کہ جو یارا نخواہد،

یہ سوال ہو سکتا ہے کہ "شاہ" سے مراد کون ہے، دیوان ہی میں مولانا اس کا جواب دیتے ہیں،

کیونکہ مولانا اس لفظ سے بکثرت حضرت شمس تبریز کو مخاطب فرماتے ہیں،

از شاہ عالم شمس دیں پیغام آمد تا نہیں   کہ جان بر وانگہ نشین در مقعد صدق صمد

جان جہان فخر دیں تبریز شاہ شمس دیں   زان قربت عین الیقین بر جان و دل محکم زند

یہ قطعی شواہد تھے جن سے یقین کامل ہوتا ہے، کہ دیوان شمس تبریز مولانا ہی کا نتیجۂ فکر ہے،

ان کے علاوہ کئی اور مختلف نوعیت کے شواہد ہیں، جو اثبات مدعا میں معاون ہیں،

مولینا کے معاصرین و مریدین اور ان کا تذکرہ دیوان میں، حضرت صلاح الدین زرکوب کی تعریف | حضرت مولانا صلاح الدین مولینا کے برادران راہ اور خاص رفقاے بزم میں ہیں، یہ بھی حضرت کے فیض یافتہ تھے حضرت شمس اور مولینا کی خلوت میں، انہی کو رفاقت کا شرف حاصل ہوا تھا، حضرت شمس کی جدائی کے بعد مولینا نے انہی کی صحبت میں سکون پایا،

"بعد از غیبت مولینا شمس الدین تسکین و آرام بحضرت شان یافتہ"

دیوان میں اس صورت حال پر ایک غزل ہے،

آفتابے تافت بر دل از حجاب کبریا   شعلۂ آن نور بگرفت طلعت شمس الضحیٰ

اے خداوند شمس دیں یکدم بلطف و مرحمت   با من سرگشتہ و مجنون و شیدائی درآ

لیکن پھر اپنے آپ کو تسلی دیتے ہیں،

آن ضیا نوریست روشن از حسام الدین ما   با صلاح الدین کہ ذاتش نور بخش اولیا

ان سے تعلق نہ صرف روحانی تھا، بلکہ وہ مولانا کے رشتہ دار بھی تھے، اسلئے کہ مولینا نے سلطان ولد کا نکاح انکی صاحبزادی کیساتھ کر دیا تھا، سپہ سالار کا بیان ہے،

"حضرت خداوندگار را با شیخ تعلقی و موانستی تمام بود"،

مولینا کی نظر میں ان کی عزت و عظمت بھی بہت تھی،

"پیش از خلافت چلپی حسام الدین رجوع ہمہ مریدان بحضرت او بود"

سلطان[۱] ولد نے بھی ان تعلقات اخلاص و محبت کا ذکر اپنی مثنوی میں کیا ہے، ایک دن مولینا شمس کے فراق میں بازار کی طرف نکلے، راستہ میں شیخ صلاح الدین کی دوکان پر سے گذر ہوا، وہ زرکوبی میں مشہور تھے، مولینا پر اس آواز سے حالت وجد طاری ہوئی، انھوں نے یہ حال دیکھکر اپنا شغل جاری رکھا، اور نقصان زر کی فکر نہ کی، مولانا ہم آغوش ہوکر جوش اور مستی میں یہ شعر[۲] پڑھنے لگے،

یکے گنجے پدید آمد ازیں دوکان زرکوبی　　زہے صورت زہے معنی زہے خوبی زہے خوبی

کلیات[۳] میں بھی یہ شعر موجود ہے،

یکے گنجے پدید آمد ازین دوکان زرکوبی　　زہے صورت زہے معنی زہے خوبی زہے خوبی

(کلیات شمس تبریز ردیف ی)

ان کی موت کا مولینا کو بیحد رنج ہوا، چنانچہ سپہ سالار لکھتے ہیں کہ

"حضرت خداوندگار عظم اللہ ذکرہ در فوت ظاہر ایشان رقت بسیار فرمود، بعزت و تعظیم ہرچہ با تمامت اعاظم و اکابر قونیہ تشیع جنازہ کردند، و ایں غزل را در ثواب جمال ایشان انشاء فرمودند"

---

[۱] مثنوی سلطان ولد نسخہ قلمی در بیان مناقب صلاح الدین زرکوب، [۲] سپہ سالار ذکر صلاح الدین زرکوب فیہ ما فیہ مطبع معارف، [۳] کلیات شمس تبریز ص ۷۹۹، ردیف ی،

اے زہجران فراقت آسماں بگریستہ　　دل میان خوں نشستہ عقل وجاں بگریستہ

یہ غزل کاملاً دیوان شمس تبریز میں موجود ہے، ہم چند اشعار مثالاً درج کرتے ہیں،

اے زہجرانت زمین و آسمان بگریستہ　　دل میان خون نشستہ عقل و جاں بگریستہ

شہ صلاح الدین برفتی اے ہمائے گرم رو　　ہم کسے باید کہ داند بر کساں بگریستہ

بر صلاح الدین چہ داند ہر کسے بگریستن　　از کمان جستے چو تیرے واں کمان بگریستہ

رسالہ سپہ سالار میں ایک اور غزل حضرت زرکوب کی تعریف میں ہے،

مطربا اسرار ما را باز گو،　　قصہ ہائے جانفزا را باز گو،

مادہان بربستۂ امروز از و،　　تو حدیث دل کشا را باز گو،

مخزن انا فتحنا برکشا ،،　　سر جان مصطفٰے را باز گو،

چون صلاح الدین صلاح جان ماست　　آن صلاح جانہا را باز گو،

دیوان میں بھی یہ غزل موجود ہے،

صلاح الدین کی تعریف میں یہ اشعار قطعی طور پر مولینا کے ہیں، اور دیوان شمس تبریز میں پائے جاتے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ دیوان شمس تبریز مولینا ہی کا کلام ہے، تذکرہ نویسوں نے حضرت زرکوب کی جو تعریف و توصیف کی ہے، اس غزل میں اس کا ذکر کیا ہے، اگر حضرت شمس کے اشعار ان کی تعریف میں ہوتے، تو اس کا بھی ضرور ذکر کیا جاتا، کیونکہ سپہ سالار میں حضرت شمس اور زرکوب کے ربط و تعلق کا ذکر موجود ہے، اصل میں یہ اشعار اس تعلق کا آئینہ ہیں، جو حضرت زرکوب اور مولانائے معنوی میں تھے،

ان اشعار کے علاوہ کلیات میں حضرت زرکوب کے مناقب میں کئی اور اشعار ہیں، جو اس خیال کی تائید و توثیق کرتے ہیں،

جمع دو جہان صلاح دین است — کاندر دو جہان غریب تنہاست

چون صلاح الدین بوجد اندر بیامد نزد ما — شکر گفتم کان رفیق باصفاست آمدست

فرماتے ہیں کہ صلاح الدین کی صحبت سے فساد باطن رفع ہو جائے گا،

چون رسیدی بشہ صلاح الدین، — گر فسادی شوی صلاح آئی

از شاہ صلاح الدین چون دیدہ شود چون بین — دل رو بصلاح آرد جان مشغلہ بر بافد

دوش در خواب بدیدم صلاح الدین را — گستر و سایۂ دولت چو ہمائے برسد

جان حق است شاہ صلاح الدین — کو ز اسرار کردگار بود،

لطفہاے راکہ با ماشہ صلاح الدین کند — خضر جان گر باز بیند دم بدم تحسین کند،

حضرت حسام الدین چلپی کی تعریف، | حضرت صلاح الدین زرکوب کے بعد مولینا کے رفیق خصوصی حضرت حسام الدین چلپی ہوئے، نہایت صدق شعار اور ادب شناس واقع ہوئے تھے طبع کریم اور سیرت حلیم پائی تھی، گفتگو میں جامعیت تھی، اور علم حال سے اصحاب قال کی مشکلات حل فرماتے تھے، مولینا سے مروت واخوت، عقیدت، اور ارادت کے خاص تعلقات تھے، سپہ سالار کا بیان ہے،

"بعد از شیخ صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ ودر حال جناب حضرت خداوندگار ده سال تمام و بعد ازان نیز شیخ وقائم مقام وخلیفہ وامام تمامت اصحاب حضرتش بود، وتمامت اصحاب ملازم ایشان بودند و بملازمت او تقرب بحضرت خداوندگار می جستند"[1]

حضرت مولینا کے صفات کے مظہر تھے، مثنوی معنوی انہی کی تحریک پر لکھی گئی تھی، مولینا نے مثنوی میں سوائے دفتر اول کے ہر دفتر کے آغاز میں خصوصیت اور تصریح کیساتھ ان سے خطاب کیا ہے، اور متعدد مقامات پر نہایت جوش اور ذوق کے ساتھ ان کی تعریف و توصیف کی ہے، ان سے نہایت محبت وخلوص کا اظہار کیا ہے، جیسے کوئی مرید عقیدت مند اپنے مرشد کا ذکر کرتا ہے،

[1] سپہ سالار ص ۱۴۷،

یہی حال زندگی کے تعلقات میں بھی تھا،

"حضرت خداوندگار سلوک بدیشاں بوجہی فرمود کہ کسے گمان بردی کہ مرید ایشان است"

وبحقیقت مظہر تمام حضرت خداوندگار ما بود، وتمامت مثنویات بالتماس ایشان مؤلف گشته

است،......... در بیان مثنویات حقایقے کہ مکتوب است اشارت بسلوک چلپی دارد"

.... ودیباچہ تمامت مثنویات مزین است، بالقاب شریف او[۱]

مثنوی[۲] سے نمونہ کے طور پر چند مدحیہ اشعار ہم درج کرتے ہیں،

خوشتر آن باشد کہ سرِ دلبران گفتہ آید در حدیثِ دیگران،

اس شعر میں اشارہ شمس تبریز کی طرف ہے، لیکن شعر حسام الدین کے اس اصرار کا جواب ہے، کہ کلام میں شمس تبریز کے حالات وضاحت سے بیان کئے جائیں،

دفتر دوم کا دیباچہ اس طرح شروع ہوتا ہے،

مدتے ایں مثنوی تاخیر شد مہلتے بائست تا خون شیر شد

چوں ضیاء الحق حسام الدین عناں باز گردانید ز اوجِ آسماں

چوں بمعراجِ حقایق رفتہ بود، بے بہارش غنچہا نشگفتہ بود،

دفتر سوم میں ہے،

اے ضیاء الحق حسام الدین بیار ایں سوم دفتر کہ سنت شد سہ بار

چوتھے دفتر میں یوں خطاب فرماتے ہیں،

ہمچناں مقصود من زیں مثنوی اے ضیاء الحق حسام الدین توئی

دفتر پنجم میں فرماتے ہیں،

---

[۱] سپہ سالار صفحہ ۲، [۲] مثنوی مولانا روم کامل مطبوعہ مطبع نولکشور ۱۲۹۱ھ،

شد حسام الدین کہ نور انجم است — طالب آغاز سفر پنجم است،

گر نبودی خلق محجوب و کثیف، — در نبودی حلقہا تنگ وضعیف،

در مدیحت داد معنی دادمی، — غیر این منطق نہ لب کشادمی

دفتر ششم میں انہی کی توصیف بیان کی ہے،

حیات دل حسام الدین بسے — میل من جوشد بقسم سادسے،

اسی طرح دیوان میں بھی ان کی تعریف و توصیف کے نغمے موجود ہیں، جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے، کہ دیوان شمس تبریز صاحب مثنوی ہی کا کلام ہے، واقعات زندگی مثنوی اور دیوان اس بارے میں ہم آہنگ ہیں، تاریخ اور تذکرہ شاہد ہے کہ مولینا کے سوا کوئی اور شخص ایسا نہیں جس کے ساتھ حضرت حسام الدین کے تعلقات اس نوعیت کے رہے ہوں،

آن ضیا نوریست روشن از حسام الدین ما — با صلاح الدین کہ ز آتش نوربخش اولیا

اے شہ حسام الدین ما اے معدن نور و ضیا — اے با تو جانہا آشنا متان سلامت میکنند

اے حسام الدین جان کن مدح آن سلطان عشق — گرچہ منکر در ہوائے عشق او دم میزند

اے شہ حسام الدین حسن میگوئی با جاناں کہ من — جان را خلاف معرفت بہر حسامت میکنم

حسام الدین صلاح الدین صالح — خمش کردم خموشی غم گساراست

عطار و سنائی کی تعریف، فارسی کے صوفی شعرا میں حکیم سنائی، اور حضرت عطار رح کو اولیت کا شرف حاصل ہے سنائی اور عطار کے کلام اور معنوی پیام دونوں کے اثرات مولانا پر ہوئے، تذکرہ نویس اس پر متفق ہیں، کہ جب حضرت بہاء الدین بلخ سے قونیہ تشریف لے جا رہے تھے، تو نیشاپور میں حضرت عطار ان سے شرف نیاز حاصل کرنے کیلئے حاضر خدمت ہوئے، مولانا رومی کو اپنی کتاب اسرار نامہ تحفۃً عنایت کی، اور مولینا کی آتش افروزی عشق کے متعلق پیشینگوئی فرمائی،

"در اثنائے آں سفر بہ نیشا پور رسید، شیخ فرید الدین عطار بدیدن مولانا بہاء الدین آمد آں وقت مولینا جلال الدین کودک بود، شیخ عطار کتاب اسرار نامہ را ہدیہ بہ مولنا جلال الدین داد و مولینا بہاء الدین گفت روزے باشد کہ ایں پسر آتش در سوختگان عالم بر زند"

مولینا نے مثنوی میں حضرت عطار کا ذکر تعظیم و احترام کیساتھ کیا ہے، اور ان کے اشعار کو بعض بعض مقامات پر اپنے اشعار میں ضم کیا ہے یہی رنگ دیوان میں بھی ہے عطار و سنائی کی تعریف و توصیف فرمائی ہے، انکے مرتبہ و عظمت جلال اور مرتبت کی داد کھلے دل سے دی ہے،

گرد عطار گشت مولینا — شربت از دست شمس بود ش نوش

ہفت شہر عشق را عطار گشت — ما ہنوز اندر خم یک کوچہ ایم،

عطار روح بود و سنائی دو چشم او — ما از پئے سنائی و عطار آمدیم،

معشوق و عاشق ہر سہ یکے بود — یکبار چوں سنائی سردار آمدیم،

ایک اور موقع پر فرماتے ہیں،

آں تنا جو کش سنائی شرح کرد — یافت فردیت و عطار آں فرید

دست در دامن خورشید حقیقت زدہ ایم — چنگ دل نیز دراں طبلۂ عطار زدیم،

در آں طبلۂ شکر پر کرد عطار — بگرد طبلۂ عطار گردیم[1]،

یہ اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے، کہ دیوان جس میں یہ اشعار پائے جاتے ہیں، عطار اور سنائی کے کلام سے متاثر ہونے والے شاعر مولینائے روم کا کلام ہے، نہ کہ حضرت شمس کا،

سپہ سالار کی تعریف، سپہ سالار اور تذکرۂ سپہ سالار کے متعلق ہم پچھلے باب میں تصریح کر چکے ہیں، سپہ سالار مولانا کے خاص مریدوں سے تھے، تقریباً چالیس سال تک خلوت و جلوت میں مولینا کے ساتھ رہے

[1] کلیات شمس تبریز صفحہ ۲۹۵، دیوان شمس تبریز صفحہ ۲۲۳، و صفحہ ۲۲۴

مولانا سے ارادت و عقیدت انھیں بے حد ہے، تذکرۂ سپہ سالار جو مولینا کے حالات میں معتبر ترین تذکرہ ہے، اسکی کافی دلیل ہے،

وہ خود اپنے حال میں لکھتے ہیں:۔

"خلاصۂ عمر خود را بہ ملازمت حضرتِ او مستغرق داشتم ...... لاجرم از محبت عشقِ او هزار بار سوختم، و از خودیِ خود محو گشتم" (سپہ سالار ص۴)

دیوان میں مولانا نے ان کی بھی تعریف فرمائی ہے،

چو خورشید ست یار من نمی گردد بجز تنہا | سپہ سالار مہ باشد کہ استارہ حشم دارد

یہ بھی ہمارے دعوے کا اک داخلی ثبوت ہے،

سلطان ولد سے خطاب، سلطان ولد مولینا کے محبوب ترین فرزند ہیں، حضرت شمس تبریزی کی آپ پر خاص عنایت تھی، انھیں سے مرید ہوئے، ربط ارادت نہایت قوی تھا،

مولینا دیوان میں کبھی کبھی حضرت سلطان ولد سے بھی خطاب فرماتے ہیں، حجاب خودی کے متعلق سلطان ولد کو نصیحت فرماتے ہیں:۔

اے ولد پند ار بند است و حجاب اندر رہش | چو ازیں بند در گذشتی جز وصالِ یار نیست

ولدی گوئی در عشقش غزلہا، | چنانکہ گفت عطار و سنائی،

ایک اور ہدایت فرماتے ہیں،

مشو مولا سے ہز ناشستہ روئے | کہ تا ایں عشق مولانا نمانے،

حضرت شہاب الدین سہروردی کا ذکر، مولانا نسباً صدیقی ہیں، سلسلۂ نسب میں حضرت شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں، آپ کے علم اور حقیقت شناسی اور شہرت کا دور دور شہرہ تھا، معاصر صوفیہ دور دور سے دریافت مسائل میں ان سے رجوع کرتے، مولینا کے معاصر

بھی تھے، مولانا ان کی وفات کے بعد بھی عرصہ تک بقید حیات رہے، مولینا نے دیوان میں ان کی ناموری کا بطور مثال تذکرہ فرمایا ہے،

شہابِ آتشِ باز زندہ باد   چو القابِ شہابِ سہروردی

(کلیات شمس تبریز ص ۸۴۰)

اوحدالدین کرمانی کا ذکر تذکرہ نویس لکھتے ہیں، کہ جس زمانہ میں مولینا کا قیام دمشق میں تھا، مولینا شیخ اکبر حضرت محی الدین عربی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ سعدالدین حموی، شیخ عثمان رومی، شیخ اوحدالدین کرمانی اور شیخ صدرالدین قونوی کے ہم صحبت رہے ہیں، ان بزرگانِ امت میں ہر ایک اپنی آپ نظیر تھا، مولینا سے اور ان اولیاے کبار سے حقایق اور اسرار دین پر گفتگو ہوتی رہتی تھی، سپہ سالار نے بھی اسکی تصریح کی ہے،

"وقتے کہ خداوندگار ما در محروسۂ دمشق بود، چند مدت با ملک العارفین موحد مدقق کامل مکمل صاحب الحال والقال شیخ محی الدین ابن عربی و سید المشائخ والمحققین الشیخ السعد الدین حموی و از سید المشائخ شیخ عثمان الرومی و موحد مدقق عارف کامل نقیر ربانی شیخ اوحدالدین الکرمانی و ملک المشائخ والمحدثین شیخ صدرالدین قونوی صحبت فرمودہ اند، و حقایقے کہ تقریر آن طولی دارد، بہمدیگر بیان کردہ، رضوان اللہ علیہم اجمعین،

(سپہ سالار ص ۱۴)

مولانا نے دیوان میں بھی اوحدالدین کرمانی کے فیضِ روحانی کا تذکرہ فرمایا ہے، جو غالباً اسی صحبت کا اثر ہے،

ایک مکالمہ کے طور پر فرماتے ہیں،

پیر چو نبض من سوختہ را تجربہ کرد،   گفت ہیہات کہ آن زہرِ ہمہ سودا بود

مطلبِ مقصدِ عشاق دریں دشتِ فنا — نہ علوم و نہ معقول و نہ دریافت نبود

این بگفت و نفس ذرف بمن درنگریست — نظرِ او ہمہ ہستی ز دلِ من بربود

گفت اکنون برو و بادہ خور و شاد بزی — دور باش از رہ سالوسی و از دلق کبود

کہ دریں رہ ہمگان، از دلِ خود بیخبر اند — مومن و مشرک و ترسا و مجوسی و جہود

گفتم اے شیخ ز حالت خبری دہ تحقیق — کہ دریں دم نفست بر منِ مسکین بخشود

این چنین حالِ مرا ایش نیامد ہرگز — چو بیامد تو ببخشائے و بکن فیضِ وجود

پیر حالِ منِ آشفتہ چو در حیرت دید — بجوابِ آئینہ جانِ مرا پاک نہ دود،

نرم گفتا کہ مرا اوحدِ کرمانی دان — کہ بارشادِ من آید در غیبت بشہود

ایک غزل میں جو فنائے عالم پر کہی گئی فرماتے ہیں:-

گر اوحدِ دہرِ خویش باشی — ناگاہ رواں شوی چو احاد،

بابِ دوم

مولانائے روم کی غزلیات کی خصوصیات

محاسن و معائب

چو غلامِ آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیثِ خواب گویم

(رومی)

ایران میں شاعری کا آغاز قصیدہ گوئی سے ہوا، اسکے قدردان "اہلِ دل" نہیں بلکہ اہلِ زر اور "صاحبِ امارت" تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ قصیدہ گوئی ذریعۂ معاش بن گئی، اس میں جوشِ دل، صداقتِ احساس اور جذبات کی ترجمانی کو بہت کم دخل تھا،

قصیدہ کا لازمی جزو تشبیب ہے، اور یہی غزل کی بنیاد ثابت ہوئی، ادھر توجہ ہوئی، تو بعض باکمال قصیدہ گو شعراء نے غزل سرائی کی لیکن وہ عندلیبِ گلشن نہ ثابت ہو سکے، ان کے دلوں پر عشق کی چوٹ نہ تھی، ان کے جگر میں زخمِ محبت نہ تھا، انوری، خاقانی، اور ظہیر فاریابی وغیرہ کی غزلیات اثر دل آویزی اور گرمیِ جذبات سے خالی ہیں، زمانہ کا رنگ بدلا، مغلوں کے حملے نے قصیدہ کے ان قدردان درباروں کا خاتمہ کر دیا، قصیدہ گوئی کا بازار سرد ہو گیا، اور فطری شعراء جوشِ طبیعت کے تقاضے سے اپنے جذبات کی بے لوث ترجمانی کی طرف متوجہ ہوئے، تو اصنافِ سخن میں سے غزل "زبانِ حال" قرار پا گئی،

غزل کی خوش قسمتی ہے، کہ، شیخ سعدی نے یہ نغمہ کچھ ایسی دلآویزی سے چھیڑا، کہ ہر زندہ دل اس سے مسحور ہوگیا، خسروؔ اور حسنؔ دہلوی نے تو اوسے بولتا جادو بنا دیا، لیکن یہ حقیقت پیش نظر رہے، کہ جن اہل دل اور اہل زبان بزرگون نے فارسی غزل کو غزل بنایا، ان میں عارفِ رومی کا خاص مرتبہ ہے، اور وہ ایک نمایاں حیثیت رکھتا ہے، غزل کی معنوی بلندی بادۂ تصوف ہی کی منت پذیر ہے، مولانا نے غزل کو نغمۂ حقیقت بنانے میں بڑا کام کیا ہے، بیشک غزل گوئی میں حسن ادا، پیرایۂ بیان، جدت اسلوب اور رنگینئ کلام کے اعتبار سے مولینا سعدیؔ، عراقیؔ، خسروؔ اور حسنؔ دہلوی کے ہم پایہ نہیں، لیکن تخیل کی بلندی ہی جوش بیان اور حقائق کی ترجمانی کے لحاظ سے ان کا مرتبہ زیادہ بلند ہے، اگر ان کے کلام کے صرف بہترین حصہ پر نظر کی جائے، تو ان کی جگہ صف اول ہی میں ہوگی،

جذبات نگاری اور اصلیت — شعر کا اصلی سرمایہ احساس قلب اور جذبۂ باطن ہے، یہی جذبات نگاری اور کلام کی اصلیت ہے،

گرمی افکار ما از نار اوست　　　آفریدن، جاں دمیدن، کار اوست

یہ نہ ہو تو اشعار متاقی کی مدح سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے، شیخ سعدیؔ سے پہلے جن شعرا نے غزلیں کہیں، تقریبًا ان کا کلام "زبان بے دل" ہے

وہ عشق کے زخم خوردہ نہیں ہیں، انکے سینوں کے اندر آتش الفت کا پتہ نہیں، صرف حسن سخن کیلئے انھوں نے عشق کی ترجمانی شروع کی،

لیکن جب درد دل رکھنے والے شعرا نے غزل سرائی کی، تو وہ تاثیر اور سوز دل کا سرمایہ بن گئی،

صوفی شعرا میں شدت اخلاص اور صداقت احساس کے باعث اس جذبہ کی گرمی اور اس آگ کی تیزی ناقابل بیان ہوگئی، اسی لئے سعدیؔ، خسروؔ، حسنؔ، عراقیؔ، اور حافظؔ کے کلام کا "سرمایۂ ناز"

"جذباتِ نگاری" ہے،

مولینا روم کا دل فطرۃً امینِ عشق واقع ہوا تھا، وہ فطری شاعر تھے، اگرچہ ایک مدت تک مولویانہ مذہبیت اور وطن کے ماحول کے باعث شعر گوئی سے پرہیز کرتے رہے، لیکن جب شمس تبریز سے ملاقات ہوئی، تو ایک ہی نظر میں مولینا نے عقل و ہوش کو خیر باد کہا، انکی حکمت اور نکتہ دانی "جنونِ عشق" سے بدل گئی، آخر کار یہ حال ہوا، ع

"دلِ خود کام را از عشق خوں کرد"

آزمودم عقل دور اندیش را بعد ازاں دیوانہ سازم خویش را،

مولینا کی دل کی چھپی اور دبی ہوئی چنگاریان کچھ ایسی بے پناہ آتشِ شوق کی صورت میں بھڑک اٹھیں، کہ بجھائے نہ بجھتی تھیں، جذباتِ محبت نے طوفان کی صورت اختیار کی، مولینا نے جان و دل کے تقاضے سے مجلسِ سماع آراستہ کی، اس میں دوسروں کی نظمیں کما حقہٗ ترجمانی حال کا کام نہ دے سکتی تھیں، محفلِ سماع کے لئے مولینا خود غزل لکھنے لگے، یہی وجہ ہے کہ ان کا کلام اصلیت سے معمور ہے، اور سراپا جذباتِ دل کی سچی تصویر ہے، اسی لئے جذبات نگاری جو محاسنِ شاعری کا جزو اعظم ہے، مولینا کے کلام کی اولین اور اہم ترین خصوصیت ہے، ان کے اشعار بہانہ جو کے آنسو نہیں ہیں، بلکہ ان کا سینہ سوزِ باطن سے معمور ہے، ان کے دل پر عشق کے داغ ہیں، جو کچھ کہتے ہیں؛ آپ بیتی ہے، ان کی غزل دل کی زبان ہے، ان کے کلام میں ذوقِ سخن نے گفتارِ محبت کا پیرایہ اختیار کیا ہے،

صاحب مناقب العارفین نے جذبات نگاری کے متعلق مولینا کا ایک قول نقل کیا ہے،

" مجرائے سخن سہ گونہ است، یکم از نفس روان می شود، دویم از عقل، سیوم، از عشق، ہمانا کہ سخن نفس مکدر است وبے مزہ کہ نہ گوئندہ را ذوق است و نہ شنوندہ را فائدہ،

دوم سخن عقل است و آن مقبول عقل است، وینبوع فوائد کہ ہم شنونده را بذوق کند و ہم گوینده را، سیوم سخنِ عشق است کہ ہم گوینده را مست کند و شنونده را سر خوش گرداند وبطرب آرد"

جذبات نگاری، مولانا کا کلام سخن عشق ہے، اسلیئے وہ دلی جذبات کا آئینہ ہے، ان کا کلام اور زندگی ہم آہنگ ہیں، وہ شعرا کی جماعت "یقولون مالایفعلون" سے علیحدہ ہین، اور اس خصوصیت میں مولینا فارسی کے دیگر نامور صوفی غزل گو شعرار کے شریک ہین،

سوزِ دل کے متعلق فرماتے ہین :-

عشق شد مہمان ہر دل سوختہ — جان و دل از بہرِ او قربان کنم

ایک مست الست کی حیثیت سے اپنے انجام کا نقشہ کھینچتے ہیں،

بہ پیش پیرِ مے خانہ بمیرم — زہے مرگ و زہے برگ و سرانجام

مطلوب اور محبوب کیسا تھ وابستگی، اور وارفتگی کا بیان ہے،

ہر کہ بیند رُخِ تو جانبِ گلشن نرود — ہر کہ داند لبِ تو قصۂ ساغر نہ کند

مولینا بادۂ محبت سے مخمور ہیں،

مخمور توام بدست من دہ — آن جامِ شرابِ کوثرے را

عاشق میدانِ طلب میں رفیقِ راہ کا طالب ہے،

طبیب دردِ بے درمان کدام ست — رفیق راہ بے پایاں کدام است

شبِ وصال کی لاجواب تصویر ایک ہی مصرعہ میں کھینچ دی ہے،

ع گل چیدن است امشب مے خوردن است امشب

اضطراب عشق اور انتظار کے جذبات کی کسقدر کامیاب ترجمانی ہی،

قرارے نہ دارد دل وجانِ ما، کنارے نہ دارد بیابانِ ما،

عشق نے شاعر کے دل و جان میں گھر کر لیا ہے، اس حالت کو کس خوبی سے [illegible] ہی،

در دل وجاں خانہ کردی عاقبت ہر دو را دیوانہ کردی عاقبت

دلِ عاشق ہر وقت حضورِ یار کا متمنی ہے،

یک لحظہ ز کوئی دوست دوری در مذہبِ عاشقاں حرام است

عاشقِ بے تاب شب و روز کوچۂ یار میں چکر لگاتا ہے، لیکن اوس کی یہ آرزو ہے، کہ کسی دن "دلدار" بھی اسکی گلی میں آجائے، اور اس کوچۂ ویران کو اپنے قدم سے رشکِ بہشت بنا دے،

مخمور و مست گرداں امروز چشمِ ما را رشکِ بہشت گرداں امروز کوے ما را

مولنا پرستی اور جذب طاری ہے، ایک دیوانگی کی سی حالت ہے، فرماتے ہیں،

اے عاشقاں اے عاشقاں امروز من دیوانہ ام مست و خراب و بے خبر زاں جام وزاں پیمانہ ام

بادِ عشق سے درخواست فرماتے ہیں، کہ اس طرف سے بھی ہو گذرے،

اے بادِ خوش کہ بر چمنِ عشق می وزی بر من گذر کہ مژدۂ ریحانم آرزوست

عاشق شرابِ الفت سے مست و بے خود ہے، اسے سارا عالم مست نظر آتا ہے، اس خوبی سے اسکو بیان کیا ہی، کہ مستی کی ہمہ گیری کا منظر پیشِ نظر ہو جاتا ہی،

رعد مطرب، برق مشعل، ابر ساقی، آب مے باغ مست و راغ مست و غنچہ مست و خار مست

باوجود اس مستی کے عاشقِ بے خود کی تمنا ہے کہ

یکدست جامِ بادہ و یکدست زلفِ یار رقصِ چنیں میانۂ میدانم آرزوست

آئینہ میں عکسِ یار دیکھ چکے ہیں، لیکن ذوقِ دیدار کا یہ عالم ہے کہ محبوب کا جمالِ جہان آرا بے پردہ دیکھنا چاہتے ہیں،

عکس در آئینہ اگرچہ نکوست، لیک ہماں صورتِ زیبا خوش است

جب یہ آرزو خوش بختی سے پوری ہوتی ہے، تو ذوقِ عشق ایسا ہے کہ جان نذر کر دیتے ہیں

دیدہ از خلق بہ بستم چو جمالش دیدم منت بخشایشِ او گشتم و جاں بخشیدم

دیکھئے مسرتِ وصال کا اظہار کس انداز میں ہوتا ہے،

چو گل شگفتہ شوم در وصالِ گلرویم رسد نسیم بہارم چہ خوش بود بجدا،

محبوب کے حسن و جمال کا مرتبہ بیان ہوتا ہے،

ز رویت ماہ اختر می تواں کرد، ز زلفت مشک و عنبر می تواں کرد

یہ سب ایک سچے عاشق کے دلی جذبات اور احساسات کی ترجمانی ہے، ان شعلوں کی علتِ غائی آتشِ عشق ہے جو کسی پانی سے نہیں بجھائی جاسکتی،

باز آمد آں مہے کہ ندیدہ فلک بخواب آورد آتشے کہ نمیرد بہیچ آب،

میر شراب خانہ چو شد با دلم حریف خونم شراب گشت ز عشق و جگر کباب

حقایق کی ترجمانی، مولینا کے کلام کی اصلیت کا دوسرا پہلو حقایق کی ترجمانی ہے، مولینا نے اپنے کلام میں بے شمار انفسی اور آفاقی حقایق کی تعبیر اور تفسیر فرمائی ہے، جس سے افراد اور اقوام اپنی زندگی اور تخیل کی تعمیر اور باطنی تربیت میں نہایت گرانمایہ رہنمائی حاصل کر سکتی ہیں،

ایک حقیقت بیں نظر کے لئے اس میں رمز شناسی اور رازدانی کا ایک غیر محدود ذخیرہ ہے" یہی بات مولینا کے کلام کی معنوی خصوصیت اور حقیقی قدر و قیمت ہے، شعر گوئی سے مولینا کا منشا بھی یہی تھا کہ حقایق پیرایۂ شعر میں بیان ہو جائیں، سپہ سالار کا بیان ہے،

"حضرت خداوندگار قدس سرہ میخواست کہ حقایق ہمہ مشائخ و مقصود ہمہ عالمان را

در ہر بیتے بیان فرماید، کما قال قدس اللہ سرہٗ،"

خواہم کہ کفک خونیں از دیگ جاں برآرم   گفتار دوجہان را از یک دہاں برآرم

یہ شعر تو مولینا کا ہے، جس سے اس خصوصیت کے متعلق خود صاحب دیوان کے نقطۂ نظر کا اظہار ہوتا ہے، یہ صفت پورے عروج وکمال پر مثنوی میں ملتی ہے، لیکن دیوان میں بھی نمایاں ہے، مثلاً "سترانا" کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں،

از کنار خویش یابم ہر زماں من بوئے یار   چوں بگریم ہر شبے مر خویش را اندر کنار

عشق اور بندگی کے متعلق اظہار خیال یوں ہوتا ہے،

دیگران آزاد سازند بندہ را   عشق بندہ می کند آزاد را،

ڈاکٹر اقبال کا ایک شعر ہے، جو اس مطلب ومفہوم کا حامل ہے، کہ عاشقانہ بندگی ہی میں ماسوا سے آزادی نصیب ہوسکتی ہے، :-

عقل گوید شاد شو آزاد شو،   عشق گوید بندہ شو آزاد شو،

(رموز بےخودی)

تخلق باخلاق الٰہیہ کا راز بیان کیا ہے،

درون دل سفرے کن اگر خدا طلبی   زخوئی خود گذرے کن بجوئی خوے خدا

طلب وحصول کا ربط ظاہر کیا ہے،

روزی ز طلبگاری مطلوب بدست آید   گر زاں کہ ترا در دل عشق وطلبی باشد

شادی وصال جاں روزی سد از جاناں   آنرا کہ درون دل از عشق غمی باشد

بے رنج دریں ویراں آں گنج مجو ایجاں   کاں گنج گراں مایہ بے رنج نمی باشد

ترک کبر اور عجز عبدیت کا کیا حاصل ہے، جواب ملتا ہے،

کبر وتکبر بگذار و بگیر،   در عوض کبر چنیں کبریا،

حقیقتِ تخلیق پر روشنی ڈالی ہے،

ہزار صورت بے چوں با مر کن موجود　　　شدست و میشود اے دل و دیدہ ایکتا

سلوک الی اللہ کا طریقہ بتایا ہے،

یک حملہ مستانہ مردانہ بکردیم،　　　تا علم بد ادیم و بہ معلوم رسیدیم،

با آیت کرسی بسر عرش پریدیم،　　　تا حی بدویدیم و بقیوم رسیدیم،

عاشق علم لدنی سے کس طرح فیضیاب ہوتا ہے، ؟

خمش کو تہ کن اے خاطر کہ علم اول و آخر　　　بیاں کردہ بود عاشق چو پیش شالا باشد

غافل کو جگاتے ہیں،

نہاں بنہ تو دو چشمت کہ ذرہ را بینی　　　میان روز نہ بینی تو شمس کبری را

مثنوی میں بھی حق سے غفلت کو موت سے تعبیر فرمایا ہے، :-

مرگ حاضر غائب از حق بودن است

غرض یہ کہ مولینا کا کلام حقایق کا ایک دریاے بے پایاں ہے،

جوش خیال اور بیان

بیا کہ من زخم پیر ترقوم آوردم
مے سخن کہ جواں تر ز بادہ عنبی است　　　(اقبال)

مولینا کے خیالات میں جو ہنگامہ و جوش اور بیان میں جو زور اور وجد پایا جاتا ہے، اوس کی نظیر کسی اور غزل گو صوفی شاعر کے کلام میں نہیں، یہ صفت مولینا کی غزلیات میں خاص طور پر نمایاں ہے،

تخیل کی پرواز کا یہ عالم ہے کہ آن کی آن میں عالم معنی کی سیر برق رفتاری کیساتھ ہوتی ہے، قلب میں عشق کی گرمی اور جذبات کا طوفان برپا ہے، اس سے خیالات میں یہ جوش ہی پھر زبان دل کی

ہم آہنگ ہے، جس شدت سے خیال پیدا ہوتا ہے، اسی شدت سے بیان کرتے ہیں،
نوزِ بانگِ اسرافیل معلوم ہوتی ہو، کہ محشر انگیزی پر آمادہ ہے، جوشِ تخیل اور بیان کے اعتبار سے مولینا کا کلام شعر کے اس معیار پر پورا پورا اترتا ہے،

نغمہ باید تند رو مانند سیل، تا برد از دل غمان را خیل خیل،

اصل بات یہ ہے کہ مقاماتِ تصوف کا تعلق قلب اور جذبات سے ہے، مولینا کا قلب اسی عالم کی سیر میں مصروف تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف تو تخیل کا زور معنی آفرینی میں کمال دکھاتا ہے، تو دوسری طرف بیان امواج سمندر کے مانند لہریں لے رہا ہے، اس سے کلام میں بے حد زور اور اثر پیدا ہو گیا ہے جو پڑھتا ہے اس طوفان انگیز سمندر کی موجوں کے ساتھ ہو کر بہنے لگتا ہے، جوش کا یہ عالم ہے کہ جس قوت سے وہ کسی خیال کو ادا کرتے ہیں، اسی قوت سے اسے قبول کرنا بھی آسان نہیں، یہ جوش کسی خاص خیال یا موقع سے مخصوص نہیں جس خیال کو ظاہر کرتے ہیں، تو ان کا طبعی جوش اس سے نمایاں ہوتا ہے مسرت وصال کا ذکر کریں تو دل مارے خوشی کے اچھلنے لگتا ہے، غم ہجراں کا بیان ہو تو احساس اضطراب تیز ہو جاتا ہے، بقا کا رنگ اس جوش اور زور سے دکھاتے ہیں، کہ آدمی اپنے آپ کو غیر فانی محسوس کرنے لگتا ہے، فنا کا عالم دکھانے میں یہ انداز ہے کہ عالم کی ایک ویران کدہ اور فانوس خیال کے ایک مجموعہ سے زیادہ حقیقت نہیں معلوم ہوتی، جوشِ خیال اور بیان کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں جس سے یہ حقیقت آئینہ ہو جائے گی،

اے نوبہار عاشقاں داری خبر از یار ما، ای ز تو آبستن چمن وے از تو خنداں باغہا
اگر افلاک نہ باشد بخدا باک نہ باشد، دلِ غمناک نہ باشد چہ کنی گفت علالا

عاشق کو کس جوش سے مخاطب فرماتے ہیں،:-

چوں چشم بجوش از دلِ سنگ، بشکن تو سبوئے جسم و جاں را،

مردِ خدا کی ہمت و غیرت کا بیان ہے،

مردِ خدا مست بود بے شراب　　مردِ خدا سیر بود بے کباب

مردِ خدا بحر بود بیکراں،　　مردِ خدا قطرہ بود بے سحاب

اے چنگ پردہ ہائے سپاہانم آرزوست　　وے نائے نالۂ خوش و سوزانم آرزوست

این ہمرہان سست عناصر دلم گرفت　　شیرِ خدا و رستمِ دستانم آرزوست

آخری شعر سے مولنٰنا کے رنگِ طبیعت اور جوشِ خیال کا خاص اندازہ ہوتا ہے،

جوشِ عزم ملاحظہ ہو،

ہر نفس آوازِ عشق میرسد از چپ و راست　　ما بفلک می رویم عزم تماشا کراست

جوشِ عشق کی تصویر کھینچتے ہیں،

گفتم کہ چند خوانی گفتا کہ تا نخوانی　　گفتا کہ چند جوشی گفتم کہ تا قیامت

مولنٰنا کی ہمت عالی اور قوتِ تسخیر پر نظر کیجئے،

ہمت عالیت در سر ہائے ما،　　از ثریٰ تا عرشِ اعلیٰ می رویم

دہان اژدہا را بر دریدم،　　جہانِ عیش را آباد کردم،

عہد حاضر کے فارسی شعرا میں ڈاکٹر اقبال اس خصوصیت اور مناسبت میں اس پر جوش عارف رومی کے ہمرنگ ہین، اون کے تخیل میں یہی زور اور بیان میں یہی جوش ہے، خود ان ہی کا بیان ہے

مطرب غزلے بیتے از مرشدِ روم آور　　تا غوطہ زند جانم در آتشِ تبریزی

مثالاً کلام ملاحظہ ہو،

تا کجا در تہ بالِ دگراں می باشی　　در ہوائے چمن آزادہ پریدن آموز

بشاخِ زندگی مانمی ز تشنہ لبی است　　تلاشِ چشمۂ حیوان دلیلِ کم طلبی است

خاص مضامین، ہر شاعر اپنی طبیعت اور بلندی مزاج کے مطابق خاص خاص خیالات اور مضامین کا دلدادہ ہوتا ہے، یہ مضامین اس کے خصوصیات میں گنے جاتے ہیں، اور ہماتِ مضامین کہلاتے ہیں۔ مولنا میں یہ خصوصیت پائی جاتی ہے، اور کلام کی معنوی خصوصیات میں بے حد نمایان ہے، وہ چند احساسات اور خیالات کے خاص طور پر دلدادہ ہین، ان کے کلام میں ایسے مضامین مختلف پیرایہ اور اسلوب میں کثرت سے پائے جاتے ہیں، مثلاً عشق کی اہمیت اس کے نتائج، انسان کی عظمت اور عروج انسانی کی راہ، عقل و عشق کا مقابلہ، دل کی تربیت اور اس کے طریقے وغیرہ یہ چند خاص خیالات ہیں، جن کو مولنا نے سینکڑوں بلکہ ہزاروں طرح بیان کیا ہے، ہم ایک تسلسل سے ان جملہ مضامین کو بیان کرین گے تاکہ خصوصیاتِ کلام واضح ہو جائین،

از صدائے سخن عشق ندیدم خوشتر
یادگاری کہ درین گنبدِ دوار بماند (حافظ)

عشق اور اسکے تعلقات، مولنا نے عشق، اسکے متعلقات اور اسکے مختلف پہلوؤں پر اس کثرت سے اشعار لکھے ہیں، کہ اگر ان کے دیوان کو "ترانۂ عشق" سے تعبیر کریں تو بیجا نہ ہوگا، ان کی یہ خصوصیت مثنوی مین بھی بیحد نمایان ہے، سچ یہ ہے کہ عشق زندگی کی بنیادی حقیقت ہے، اس کا ترانہ زندگی کا سب سے عظیم الشان نغمہ ہے، عشق ہی سے قربانی پیدا ہوتی ہے، عشق کے محل مختلف ہوسکتے ہین، کوئی کسی کے حسن عارض کا شیدا ہوتا ہے، ورڈز وَرتھ کا سا مزاج رکھنے والا شاعر رنگین وادی پر اپنی جان فریفتہ کرتا ہے، کوئی کسی کی تصویر کا عاشق ہوتا ہے، لیکن کسی کا قلب اسقدر وسیع اور نظر اتنی بلند ہوتی ہے کہ وہ اپنی نگاہ محبت کے لئے "حسن ازل" کو تاکتا ہے، کیونکہ عشق کی شان اس کے مقصد کی وسعت و بلندی سے ہے، کامل طور پر وہ عشق کا لذت آشنا ہے، اسلئے اپنے عشق کو ابدیت بخشنا چاہتا ہے، اور یہ ممکن نہیں جبتک اس کا محبوب ابدی نہ ہو،

عشق زندہ در روان و در بصر، ہر دمی باشد ز غنچہ تازہ تر،

عشق آں زندہ گزیں کو باقیست از شراب جانفزایت ساقیست

(مثنوی معنوی)

عشق اور مذہب میں ربط کا یہی محل ہے، جب تک مذہب صحیح مفہون میں ہوتا ہے یہ اتحاد قائم رہتا ہے جب ذوقِ صحیح فنا ہو جاتا ہے، تو ان دونوں میں افتراق ہو جاتا ہے،

در غلامی عشق و مذہب را فراق انگبینِ زندگانی بد مذاق،

مولینا اسی حلقہ عشاق میں داخل ہیں، اسلئے انھوں نے عشق پر بے حد زور دیا ہے، اس کی وکالت کا حق ادا کیا ہے، ان کے نزدیک عشق سے مراد "عشق خدائے احسن" ہے،

ہر چہ جز عشق خدائے احسن است گر شکر خوردن بود جاں کندن است

انھوں نے عشق کی اہمیت، اثرات اور نتائج کو اسی روشنی میں بیان کیا ہے، عشق کی اہمیت کے متعلق لکھتے ہیں،

عشق معراج است سوئے بام سلطان ازل از رخ عاشق فرو خواں قصۂ معراج را

عشق ابدی زندگی ہے،

عشق است و عاشق است کہ باقیست تا ابد دل بر جبد منہ کہ بجز مستعار نیست

عشق جز دولت و ہدایت نیست جز کشادِ دل و عنایت نیست،

عشق ہی خوش نصیبی ہے:-

گر ترا بخت یار خواہد بود عشق را با تو کار خواھد بود

عمر بے عشق لاحاصل ہے،

عمر کہ بے عشق رفت ہیچ حیاتش مگیر آب حیاتست عشق در دل و جانش پذیر

دگر بیکار گردد چرخ گردون، جہانِ عاشقاں بر کار باشد

ہر کہ در دنیست ازیں عشق رنگ نزد خدا نیست بجز چوب و سنگ

عشق کے بغیر دولت و جاہ سب ہیچ ہے، اور عشق سے مولینا کی اصل مراد کیا ہے،

منصب و ملک از دل بے عشق راست جز کفن اطلس و جز گور نیست،

آن روح را کہ عشق حقیقی شعار نیست نابودہ بہ کہ بودن او غیر عار نیست

عشق ہی قلب کو مطمئن رکھتا ہے،

ہر کہ ز عشاق گریزان شود، عاقبت الامر پریشاں شود،

خانہ عشق کی بڑی فضیلت ہے،

فی الجملہ ہر آنکس کہ دریں خانہ رہے یافت سلطانِ جہان است و سلیمان زمانست

بنی آدم کی بزرگی عشق ہی کے تاج کرامت سے ہے

کہ عشق خلوت جانست طوق کرمنا برائے ملک وصال و برائے رفع حجاب

عشق کے نتائج کیا ہوں گے، مولینا نے کئی اشعار میں مختلف طریقہ سے اس کا جواب دیا ہے،

غمزۂ عشقت بدان آرد یکے محتاج را کو بیک کہ بر نسنجد ہیچ صاحب تاج را

گلزار کند عشقت آن شورۂ خاکی را دربار کند موجت این چشم سحابے را

کیمیائے کیمیا ساز است عشق ، خاک را گنجِ معانی می کند

عاشق کا دل عرش سے فزوں تر ہے،

ہر سر چہ ہمی ارزی میدان کہ ہمی ارزی زیں روے و دل عاشق از عرش فزوں باشد

عشق کی ترقی و تکمیل استقامت میں ہے،

ہم بذوق این درد را درمان کنم ہم بصیر این قصہ را پایان کنم ،

بجز در عشقِ مطلق جاں نیا ریم
فسونہائے خرد را ما نہ خوانیم

عقل و عشق کا مقابلہ | حقیقت شناسی اور یافتِ حق کے دو راستے ہیں، ایک عقلی راہ ہے، اور ایک ایمانی راہ ہے، مصرع،

مومن از عشقست و عشق از مومن است

پہلی راہ فلسفہ ہے اور دوسری مذہب،

مذہب کی بنیاد چونکہ غیبی حقائق پر ہے، اس لئے فلسفہ یا عقل کی راہ اس منزل تک نہیں پہنچ سکتی، اس لئے کہ عقل حواس کے تابع ہے، اور حواس عالمِ شہود کے سوا غیر شہود عالم کا علم حاصل نہیں کر سکتے، اور بظاہر ہمارے علم کے ذرائع حواس ہی ہیں،

یافت اور معرفت کی ان دو راہوں میں ایک کا سرمایہ قیل و قال اور شک ہے، اور دوسری راہ کا سرمایہ "علم الیقین"، "عین الیقین" اور "حق الیقین" رموزِ بیخودی میں بڑی خوبی سے ان کے فرقِ نوعیت کو ظاہر کیا گیا ہے،

عقل را سرمایہ از بیم و شک است — عشق را عزم و یقیں لاینفک است
عقل محکم از اساسِ چون و چند — عشق عریاں از لباسِ چون و چند
عقل در پیچاکِ اسباب و علل — عشق چوگاں بازِ میدانِ عمل
عقل می گوید کہ خود را پیش کن — عشق گوید امتحانِ خویش کن

مولانا کے کلام میں بھی خاص طور پر ان دو راہوں کا مقابلہ اور موازنہ پایا جاتا ہے، اور مولانا نے اس پر بڑا زور دیا ہے، اسلام میں اعتزال وغیرہ کے عقلیہ فرقے پیدا ہوئے، مولانا نے ان کو فتنۂ عظیم سے تعبیر کیا ہے،

سوے مدرس خرد آیند در سوال — کیں فتنۂ عظیم درا سلام شد چرا

اس مقابلہ اور موازنہ کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں،

عاقلاں را اندراں غفلت بماں — عاشقاں را چشم معنی بر کشا

از سینہ پاک کردم انکارِ فلسفی را — در دیدہ جاے کردم اشکالِ یوسفی را

مثنوی میں ارشاد ہوتا ہے،

عقل جزوی عشق را منکر بود — گرچہ بنماید کہ صاحب سر بود

آفتابِ عقل را در سوز دار — چشم را چوں ابر اشک افروز دار

داند آں کو نیک بخت و محرم است — زیرکی ز ابلیس و عشق از آدم است

درمیانِ پردۂ خون عشق را گلزارہا — عاشقاں را با جمالِ عشق بیچوں کارہا

عقل گوید شش جہت حداست و بیرون راہ نیست — عشق گوید ہست راہ و رفتہ ام من بارہا

عاشقانِ خستہ دل را در درونہ ذوقہا — عاقلانِ تیرہ جاں را در درون انکارہا

عقل گوید پا منہ کاندر فنا جز خار نیست — عشق گوید ہست در تو مایۂ آں خارہا

عشقِ تو چوں درآمد اندیشہ مرد پیشش — عشقِ تو صبحِ صادق اندیشہ صبح کاذب

شمعِ گیتی بود عقلِ چارہ گر — شمع را پروانہ کردی عاقبت

آتش دریں عالم زنیم این چرخ را برہم زنیم — ایں عقل پا برجائے را از عشق سرگرداں کنیم

بجز در عشق مطلق جاں نیاریم — فسونہائے خرد را ما نہ خوانیم

دل بدست آور کہ حج اکبر است
وز ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است، (مثنوی رومی)

دل کی عظمت و اہمیت — عشق، یقین اور ایمان کا تعلق قلب سے ہے، قرآن مجید میں ابراہیم حنیف کے

کمالِ باطن کی تعریف پر ان کے "قلبِ سلیم" کو نشانِ عظمت ظاہر کیا گیا ہے، حدیث میں ہے، کہ دل ہی انسانی صلاح اور بگاڑ کی کنجی ہے، انسان کی عظمت اس کی قلبی وسعت وکیفیت کی نوعیت پر مبنی ہے، یہ ایک واقعہ ہے کہ انسانی علم وعمل کی طاقت قلبی توجہ پر منحصر ہے، جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا کہ مولانا اس کی اہمیت اور اس کے اعلیٰ مقاصد اور نتائج پر اپنے کلام وپیام میں بیحد زور دیتے ہیں، اس لئے تزکیۂ دل اور تصفیۂ قلب پر بھی بے حد اصرار کرتے ہیں اور اسکی اہمیت کو طرح طرح سے ظاہر کرتے ہیں، تاکہ کثرتِ ذکر اور تکرارِ تجدید سے سامع اس عظیم الشان حقیقت کی طرف متوجہ ہو جائے، مثنوی میں فرماتے ہیں،

کاں جمالِ دل جمالِ باقیست　　دولتش از آبِ حیواں ساقیست
گفت پیغمبر کہ حق فرمودہ است　　من نہ گنجم ہیچ در بالا و پست
در دلِ مومن بگنجم اے عجب　　گر مرا جوئی دراں دلہا طلب

مولانا کی یہ معنوی خصوصیت دیوان میں بھی قائم ہے، دل کو منظر گاہِ حق قرار دیا ہے اور فرماتے ہیں

در آور دل کہ منظرگاہِ حق است　　اگر ہم نیست منظر می تواں کرد
دل آہن ز شوقش نرم گردد　　دل ار سنگ است جوہر می تواں کرد

دل کا تیر راست ہونا چاہئے،

گر قابِ قوس جوئی دل راست کن چو تیر　　در قوسِ او در آید ہر کو چو تیر باشد

دلِ عاشق کی پرواز دکھائی ہے،

سیمرغ دلِ عاشق در دام کجا گنجد　　پروازِ چنیں مرغے از کون بروں باشد

آئینۂ قلب میں صفا، ہو تو آفتابِ حقیقت اس میں منعکس ہوگا،

چوں کاہ جفتِ گل بود آئینہ کے مقبل بود　　چوں کہ جدا گردد ز گل آئینہ گردد با صفا

دل راتو صیقلے کن تا نقش او پذیرد زاں نقشِ بے جہت ایں شش سو منقش آمد

مثنوی میں بھی یہی ہدایت ہے،

آئینہ کز زنگ و آلایش جدا است پر شعاع نور خورشید خدا است

ولایت اس طرح حاصل ہوتی ہے کہ اہلِ دل کی صحبت اختیار کیجائے،

گر اولیائے حق را از حق جدا شمرده گر ظنّ نیک داری بر اولیا چه باشد

اہلِ دل کی صحبت سے مقصود تک رسائی ممکن ہے،

دلا نزدِ کسے بنشیں کہ او از دل خبر دارد بزیر آں درختے رو کہ از گلہائے تر دارد

مثنوی میں بھی اہلِ دل کی صحبت کے فیض کا ذکر جگہ جگہ ہے،

یک زمانہ صحبتے با اولیا بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

دل سے متعلق ایسے اشعار سینکڑوں کی تعداد میں ہیں،

صد آہ شرر ریزے اک شعر دلآویزے" (رومی)

جذباتِ عشق | شاعر کا کمال یہ ہے کہ وہ جن احساسات اور قلبی حالات اور کیفیات کو بیان کرنا چاہے اس خوبی سے ان کو ادا کرے کہ پڑھنے والے کی آنکھوں کے سامنے اس حالت کی تصویر کھنچ جائے اور وہ شاعر کے اس احساس میں شریکِ حال ہو جائے، مولانا کے کلام کی اصل خصوصیت یہی ہے' لذتِ دید کی کیفیت بیان کی ہے،

دل پیشِ رخش چه رقص می کرد وز آتشِ عشق جان چه می شد

"چه رقص می کرد" اور "جاں چه می شد" میں لذتِ دید اور بے تابیِ شوق کا نقشہ کھینچ دیا ہے،

عشق میں غم سہتے سہتے عاشق کی یہ حالت ہوتی ہے کہ اسے اس میں لطف آنے لگتا ہے، اس حال میں اس کی نظر درد و غم پر پڑتی ہی نہیں، صرف لطفِ محبت ہی کا خیال رہتا ہے، ہر غم کو مسرت سمجھتا ہے، اور

آسانی سے برداشت کرلیتا ہے، اس حالت کو بیان کرتے ہیں،

منگر رنج و بلا را بنگر عشق و ولا را غم او لطف لقب کن زغم و درد طرب کن

رندانِ قدح خوار کا کبھی یہ عالم ہوتا ہے کہ جب وہ خوب پی لیتے ہیں تو پھر انھیں پستی اور بلندی کی خبر نہیں رہتی، حالتِ سرور میں رقصاں ہوتے ہیں، مستی کی اس حالت کا نقشہ مولٰنا نے اس طرح کھینچا ہے،

باز رسیدیم زمیخانہ مست باز رہیدیم زبالا و پست

جملۂ مستاں خوش ورقصاں شدند دست زنید اے صنما دست دست

ایک اور شعر ہے،

زشوقت من زتن بے گانہ گردم شرابِ عشق را پیمانہ گردم

دوسرا مصرع بے خودی اور خود فراموشی کی بہترین تعبیر اور تصویر ہے،

عاشق انتظار میں ہے، دیر بے حد ہوگئی، کچھ مایوسی سی دل پر چھا گئی، لیکن یکایک محبوب دلنواز سامنے آگیا، عاشق کی آنکھیں "بتِ بے وفا" کو دیکھتی ہیں، لیکن دل کو اس خوش نصیبی کا یقین نہیں آتا، پھر بار بار نظر کرنے سے یہ شک رفع ہوجاتا ہے، اور جوشِ مسرت سے عاشق اچھل پڑتا اور پکار اٹھتا ہی،

یار آمد زدرخلوتیان دوست دوست دیدہ غلط می کند نیست غلط اوست اوست

معشوق پری رخ کو دیکھکر اس کی لطافت ورنگینی کا جو نازک احساس دل میں پیدا ہوتا ہے اس حالت کو الفاظ کے مرقع میں پیش کیا ہے، جس سے آنکھوں کے آگے ایک سماں بندھ جاتا ہے،

روے تو چو نو بہار دیدم گل راز تو شرمسار دیدم

دعا مغزِ عبادت ہے، عبدیت کی یہ کیفیت مولانا پر طاری ہوگئی ہے، اور دعا کا یہ عالم ہوگیا ہے کہ جو دیکھتا ہے وہ بھی دعا گوئی ہی کی درخواست کرتا ہے، عجز عبدیت کی اس حالت کو کس خوبی سے بیان کیا ہے؛

ہمہ دعا شدہ ام من زبس دعا کردن کہ ہرکہ دید مرا از من او دعا خواہد

عاشقِ خستہ جان مسلسل محبوبِ سنگدل کی بے توجہی کا شکار رہے، اسے خیال ہوتا ہے کہ محبوب ہمیشہ ناز میں ہے وہ ہمارے نیاز کی حالت کو کیا محسوس کریگا، اسے ہماری جگرکاوی اور دلسوزی کا کیا احساس ہوگا، وہ تمنی ہے کہ خدا کرے خود محبوب بھی کسی کو اپنا مطلوب بنائے اور کسی پر جان دے، تاکہ وہ عاشق کے حالِ زار کو محسوس کر سکے، ع کبھی جلوہ گر ہو خدا کرے ترا ناز میرے نیاز میں" اس حالت کو اس طرح بیان کرتے ہیں،

اے خداوند یکے یارِ جفا کارش دہ — دلبرِ عشوہ گر و سرکش و خونخوارش دہ

چند روزے زپئے تجربہ بیمارش کن — با طبیبانِ دغا پیشہ سروکارش دہ

تا بداند کہ شبِ ماہ چساں می گذرد — درد عشقش دہ و عشقش دہ بسیارش دہ

کبھی طلب اس قدر شدید ہوتی ہے کہ باوجود کافی سامان ہونے کے دل سیراب نہیں ہوتا اور تشنگی رفع نہیں ہوتی، بیچینی ہنوز باقی رہتی ہے، اس کیفیت کی تصویر اس طرح کھینچی ہے،

شمس تبریزی ہمہ دریائے فضل و رحمت است — لیک جانِ تشنہ زاں دریائے سیراب نیست

ما نورِ خدائیم دریں خانہ فتادہ

(رومی)

ما آبِ حیاتیم دریں جوے روانیم

شرف نفس انسانی | بنی آدم کی کرامت مسلم ہے، روحانی جماعت انسان کو "آئینۂ ذاتِ حق" سمجھتی ہے ع

ذاتِ ما آئینۂ ذاتِ حق است

لیکن مادہ پرست گروہ بھی بہر حال اس کو سلسلۂ حوادث میں افضل ترین کڑی خیال کرتا ہے، اور کائنات میں مادی ارتقاء کی آخری کڑی انسان ہی قرار دیا گیا ہے حقیقت کو بے نقاب کرنے والوں کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اعلان فرمایا ہے کہ انسان خدائی سانچہ پر ڈھلا ہے، ان اللہ خلق آدم علی صورتہ خود خالقِ عالم کا ارشاد ہے، لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم، ولقد کرمنا بنی آدم

مولانا نے انسان کی عظمت و بزرگی پر اپنے کلام میں بے حد زور دیا ہے، یہ شے مولانا کے کلام کے ان خصوصیات میں ہے جو مولانا کو فارسی کے دیگر غزل گو صوفی شعراء سے ممتاز کرتی ہے، میرا یہ مطلب نہیں کہ اور لوگوں نے انسان کے شرف اور بزرگی کو بیان نہیں کیا، بلکہ یہ مولانا کے خاص مضامین شعر میں سے ہے، اور انھوں نے اس زور اور کثرت سے اس نقطۂ نظر پر بحث کی ہے کہ دوسروں کے کلام میں اسکی نظیر نہیں ملتی، ان کا دیوان انسانی شرف اور تعظیم کا ایک نغمۂ دل افزا ہے، کہیں انسان پر اسکی قدر و قیمت کا اظہار کرتے ہیں، کہیں اس کی عظمت اور بلندی کی تصویر پیش کرتے ہیں، اسے غیرت دلاتے ہیں اور نصیحت کرتے ہیں کہ "تو" دولت بے بہا ہے اپنا اصل محل اور موقف حاصل کر" ع

تو گوہری کہ کسے رابکف بہائے تو نیست

یہ صفت مولانا کی معنوی خصوصیات میں سے ایک ہے، انسان کی حقیقت اور عظمت کا بیان ہے

ما نورِ خدائیم دریں خانہ فتادیم — ما آبِ حیاتیم دریں جوئے روانیم
ما نورِ خدائیم دریں خانہ نہانیم — ما مرغِ شکر فیم دریں دام نہانیم
ما نورِ سمائیم ازاں فضلِ شمائیم — ما شاہِ زمینیم و سلیمانِ زمانیم

"زبورِ عجم" میں اسی بحر میں ایک مؤثر نظم ہے، جس کا ایک بند یہ ہے،

ناموسِ ازل را تو امینی تو امینی — دارائے جہاں را تو یساری تو یمینی
اے بندۂ خاکی تو زمینی تو زمانی — صہبائے یقیں درکش از دیرِ گماں خیز

از خوابِ گراں، خوابِ گراں، خوابِ گراں خیز

مولانا فرماتے ہیں :-

ما مہرِ سپہر لامکانیم، — برتر زمین و آسمانیم
ما برزخِ جامعیم و فاصل — نے نے کہ بروں زاین و آنیم

ما محرم بارگاہِ اُنسیم | در جامِ جہاں چو جانیم

ایک اور غزل کے اشعار ہیں،

ما گوہرِ کن فکانیم | ما مردمِ دیدۂ عیانیم
ما شاہد حضرتِ جلالیم | ما چشم و چراغِ انس و جانیم
ما نقطۂ مرکزِ زمینیم | ما نکتۂ سرِ آسمانیم

انسان مسجودِ ملائک ہے،

اوست مسجودِ ملائک زانکہ بے ہمتاست او | بارگاہِ رفعتش بیرون زہر چرخ چنبری

مولانا حکم فرماتے ہیں کہ انسان کو ذلت کی نگاہ سے مت دیکھو،

وجود قابلِ انسان چو مظہر حق است | مکرّمست بدیں واسطہ مبیں خوارش

اس مضمون پر مثنوی میں بھی بجد زور دیا گیا ہے،

وجہ آدم آئینہ اسماء کند | عکسِ خود در صورتش پیدا کند
از رہ صورت نماید غیرِ دوست | چوں نظر کردی بمعنی جملہ اوست

مولنا کے خیال میں انسان ابد کے لئے بنایا گیا ہے،

طمع مدار کہ عمر ترا کراں باشد | صفاتِ حقی و حق را حد و کراں ز کجا

انسان کی منزل ذاتِ کبریا ہے،

ما ز فلک برتریم و ز ملک افزوں تریم | زیں دو چرا نگذریم منزلِ ما کبریاست

اسی پر ڈاکٹر اقبال نے کہا ہے،

شعلۂ درگیر زد برخس و خاشاکِ من | مرشد رومی کہ گفت منزلِ ما کبریاست
(پیام مشرق)

انسان کی منزل نہایت بلند ہے، اس کو کبھی پستی کی طرف مائل نہ ہونا چاہیے،

نہی بر فرقِ جاں تاجے بری دل را بمعراجے چو خورشیدش برآرائی کہ سبحان الذی اسریٰ

انسان میں بے شمار کمالات چھپے ہوئے ہیں،

دلا زیں تنگ زندانہا رہے داری بمیدانہا مگر خفتست پائے تو تو پنداری نداری پا

بانگِ درا میں ایک شعر ہے جو اس مفہوم کو ادا کرتا ہے،

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کرگیا ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہے

انسان جب اس قدر باعظمت مخلوق ہے تو مولانا کے نزدیک اس کا نصب العین بھی نہایت بلند ہونا چاہئے، اس کی عظمت اس کے مقاصد کی بلندی ہی سے قائم رہ سکتی ہے،

مناقب العارفین میں لکھا ہے، مولانا نے ایک دن انسان کے بلند نصب العین کے متعلق یہ حدیث سنائی، "ان اللہ یحب المعالی الامور"

دیوان میں انسانی نصب العین متعین فرماتے ہیں،

ہمائی قاف قربی اے برادر ہما را جز ہمائے مصلحت نیست

زآفتاب و زمہتاب بگذرد نورم چو روئے خود بہ شہنشاہِ دلنواز کنم

عہدِ حاضر کے پیامبر شاعر اقبال نے انسان کو یہی پیام دیا ہے،

در دشت جنونِ من جبریل زبوں صیدے یزداں بکمند آور اے ہمتِ مردانہ

مولانا کے نزدیک زندہ دلی کا یہی شعار ہے،

شعارِ زندہ دلاں در طریق گرم رویست اگر فسردہ نہٗ گرم دار بازارش

مثنوی معنوی میں ایک شعر ہے،

جملہ عالم ہست حاجتمندِ تو تو گدایا نہ چہ گردی کو بکو

اسی منشاء اور مفہوم کی ایک غزل دیوان میں ہے، جس میں مولانا کی یہ خصوصیتِ سخن کامل

طور پر عیاں ہے،

منگر بہر گدائے کہ تو خاص ازان پاکی
مفروش خویش ارزاں کہ تو بس گرانبہائی

بعصا شگاف دریا کہ تو موسیِ زمانی
بدرآں قبائے مہ را کہ تو نورِ مصطفائی

بخراش دستِ خوباں کہ تو یوسفِ جمالی
چو مسیح دم فرودم کہ تو نیز ازان ہوائی

بصف اندر آئی تنہا کہ سفندیارِ وقتی
درِ خیبر ست برکن کہ علیِ مرتضائی

بستاں ز دیو خاتم کہ توئی بجاں سلیمان
بشکن سپاہ اختر کہ تو آفتاب رائی

چو خلیلؑ در آتش کہ تو خالصی و دلکش
چو خضر ز آب حیواں کہ تو جوہرِ بقائی

بگسل زبے اصولاں مشنو فریبِ غولاں
تو ز فیضِ ذوالجلالی تو ز پرتو خدائی

تو ہنوز ناپدیدی کہ جمالِ خود ندیدی
سحرے چو آفتابی ز درونِ خود برآئی

شدۂ غلام صورت بمثالِ بت پرستاں
تو چو یوسفی ولیکن سوئے خود نظر نداری

بخدا جمالِ خود را چو در آئینہ بہ بینی
بتِ خویش ہم تو باشی بکسے گذر نداری

من کان للہ وکان اللہ لہٗ

رنگ بقا، سر خودی اور رمز بے خودی	حضرات صوفیائے کرام کے نزدیک سلوک الی اللہ کی دو حالتیں ہیں، ایک حالت کو فنا فی اللہ اور دوسری کیفیت کو بقا باللہ کہتے ہیں، جب بندہ عبد کامل بنجاتا ہے اور

اپنا سب کچھ خدا کی راہ میں کمال عجز کے ساتھ پیش کرتا ہے یعنی

لن تنالوا البر حتیٰ تنفقوا
ہرچہ داری صرف کن در راہِ او

پر عمل کرتا ہے تو اسے حالتِ فنا کہتے ہیں، اس منزل میں سالک پر مسکینیٔ عجز اور شکستگی طاری رہتی ہے،
اس نسبت کی طرف اس کی توجہ رہتی ہے،

لیکن جب بندہ فانی بنکر خدائے شکور و غیور کی بارگاہ میں پیش ہوتا ہے، تو ادھر سے کمالات

کی تجلی ہوتی ہے،

چوں از و گشتی ہمہ چیز از تو گشت　　　چوں از و گشتی ہمہ چیز از تو گشت

فانی پر بقا کا پرتو پڑتا ہے، اس مرتبہ میں سالک کا حال مختلف ہوتا ہے، اس پر عظمت و جلال کا وہ دبدبہ چھایا ہوتا ہے کہ وہ اپنی اس نسبت کے آگے دنیا ے دوں کی بڑی سے بڑی قوت اور شوکت کو ہیچ سمجھتا ہے، بڑے بڑے صاحبانِ شوکت لرزہ براندام ہو جاتے ہیں، ع

بے نیازی نازہا دارد بسے

جب اس نسبت کا استحکام ہو جائے تو کائنات کی ظاہری اور باطنی قوتیں تابع ہو جاتی ہیں، اسی حالت کو دوسرے الفاظ میں خودی اور بے خودی سے تعبیر کرتے ہیں، اور عالم فراق اور حالتِ وصال بھی کہتے ہیں افلاکی کا بیان ہے کہ

" روزے در تفسیر ایں آیت معنی غریب بیان کرد کہ حق تعالیٰ کل شئی ہالک الا وجہہ فرمودہ است نہ آنست کہ مدح خود می کند و بر بندگانش از قدم بقا تفاخر می آرد کہ من باقیم شما فانی بلکہ دعوت رحمت می کند کہ بکلی در من مستہلک شوید تا در وجہ کریم ما کہ "الا وجہہ" باقی و ابدی شوید،

کل شئی ہالک الا وجہہ　　　چوں نۂ در وجہ او ہستی مجو

ہر کہ اندر وجہ او باشد فنا　　　کل شئی ہالک نبود جزا

زانکہ در الا ست او از لا گذشت　　　ہر کہ در الا ست او فانی نگشت

مولانا نے "کل شئی ہالک الا وجہہ" کی یہی تفسیر فرمائی ہے،

بعض سالکانِ راہ پر ایک آن میں دونوں تجلیات ہوتے ہیں، مولانا کا یہی قول ہے،

گہ جانبِ شہرِ بقا گہ جانب دشتِ فنا

حضرت شمس کے متعلق فرماتے ہیں،

شمس گر گشت فانی بالذات　　　　در فنا ہا بقاست تا دانی

مولٰنا پر نسبت بقار کا غلبہ رہتا تھا، چونکہ ان کا کلام ان کے وجدان اور حال کا آئینہ ہے، اسلئے اس میں وہ جلال، بلند آہنگی، زور اور دبدبہ ہے کہ یہ محسوس ہوتا ہے کہ بجلیاں ہیں کہ چمک رہی ہیں، بادل ہیں کہ گرج رہے ہیں اور جھوم جھوم کر برس رہے ہیں، مولٰنا کی غزلیات کی یہ خاص صفت ہے، یہ کیفیت اس رنگ میں شعرا میں سے کسی کے کلام میں نہیں پائی جاتی، نہ خسرو کی غزل میں یہ رنگ ہے نہ حسن کے کلام میں، نہ بلبلِ شیراز کے نغموں میں یہ زور ہے، نہ عراقی کے ساز میں یہ بلند آہنگی ہے، نہ سعدی کے بیان کا یہ طرز ہے، مولٰنا اس خصوص میں سارے صوفی شعراء سے ممتاز ہیں،

یہ انکے کلام کی ایسی خصوصیت ہے کہ خود مولانا نے بہ نفس نفیس اس کا اظہار فرمایا ہے، مناقب میں ہے کہ حضرت مولانا نے سراج الدین تبرزی سے فرمایا کہ

"حکیم الٰہی خواجہ سنائی و خدمت فرید الدین عطار قدس اللہ سرہما بس بزرگان دین بودند، لیکن اغلب سخن از فراق گفتند اما ما ہمہ از وصال گفتیم" (مناقب العارفین ۱۴۱)

کلام پڑھ کر اس کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ اس میں لذتِ امروز اور جوشِ فردا دونوں ہیں، بزبانِ ربانی رمزِ بقا کا اظہار فرمایا ہے،

چون خلیل من شدی ز آتش مترس　　　　کر من از آتش گلستانت کنم

بر گلویت تیغہا را دست نیست　　　　گرچہ اسمٰعیلؑ قربانت کنم

ان اشعار میں من کان للہ فکان اللہ لہٗ کی تفسیر فرمائی ہے،

چو جان زار بلا دیدہ با خدا گوید　　　　کہ کس بجز تو ندارم چہ خوش بود بخدا

جوابش آید آزاں سو کہ من ترا زین پیش　　　　بہیچ کس نہ گذارم چہ خوش بود بخدا!

عبدیت کی چند روزہ "چاکری" سے باقی رہنے والی شاہی نصیب ہوتی ہے،

دو سہ روز شاہیت را چو شدم بصدق چاکر — بجہاں نماند شاہے کہ او چاکرم نیامد

رہ فنا ہی سے در بقا تک رسائی ہوتی ہے،

خمش کن و بشنو از قائلانِ روحانی — رہ فنا چو بہ بندی در بقا بکشاد

نسبت بقا کا جوش ملاحظہ ہو، ع

چو در کفِ سلطاں شدم یک ذرہ بودم کاں شدم

نیست کردم تنگِ ہستی را تمام — تا کہ بر زینِ بقا محکم شدم

کاسہ پر زہر بودم دست در عیسیٰ زدم — خام دیدم خویش را در پختہ آویختم

چو مہ پئے آفتاب رفتم — گہہ کاستم و گہے فزودم

خاموش کہ عاقبت مرا کار — محمود بود چو من ایازم

دولت عشق ہی سے انسان دولت پایندہ اور مردہ سے ابدی زندہ بنجاتا ہے،

مردہ بدم زندہ شدم گریہ بدم خندہ شدم — دولت عشق آمد و من دولت پایندہ شدم

ز شمس الدین تبریزی نگارا — دلے کو مست شد ہشیار باشد

طبیعت کا جوش اور نسبت بقا کا زور ملاحظہ ہو،

گفتند یافت نیست کہ بس جستہ ایم ما — گفت آنکہ یافت می نشود آنم آرزوست

باز از پستی سوئے بالا شدیم — طالب آں دلبر زیبا شدیم

ما دل اندر راہِ جاں انداختیم — غلغلے اندر جہاں انداختیم

مرزا غالب مولانا کے ایک شعر پر جس میں جوش بقا کا اظہار ہے سر دھنا کرتے تھے،

بہ زیر کنگرۂ کبریاش مردانند — فرشتہ صید و پیمبر شکار و یزداں گیر

گر تو خواہی وطن پر از دلدار
(رومی)
خانہ را رو تہی کن از اغیار

توحید | مولانا نے مثنوی میں تصوف کے مسائل اور معارف تفصیل سے بیان کئے ہیں، کیونکہ وہ دورِ تمکین کی تصنیف ہے، لیکن دیوان میں صوفیانہ مسائل، معارف اور علوم کی نہیں بلکہ صوفیانہ جذبات اور احساسات کی پرجوش ترجمانی ہے، تصوف کی بنیاد مسئلہ توحید پر ہے، صوفی کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ وہ ہر طرح ایک کا ہو رہے، توحید کے معنی یہی ہیں کہ انسان ماسوائے اللہ سے آزاد ہو جائے، سوائے حق کے نہ کوئی اسکا معبود ہو نہ مقصود ہو، موجود[1] ہو نہ مشہود ہو،

ہر کہ پیماں با ہوالموجود بست　　　گردنش از بند ہر معبود رست

اس کی زندگی اور موت صلوٰۃ و قربانی صرف ذات واحد کے لئے ہو، باطنی ترقی اور مذہب کا نصب العین یہی ہے، زندگی کے اسی رنگ کو صبغۃ اللہ کہتے ہیں، قُلْ اِنَّ صَلٰوتِی وَنُسُکِی وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِی لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، ابراہیم اسی توحیدی مسلک کے باعث "حنیف" کہلاتے ہیں، سارے روحانی امراض اور اخلاقی خبائث کا واحد علاج توحید ہی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی مسلک کی پیروی اور تکمیل کا منصب عطا ہوا،

اہل حق را رمز توحید از بر است　　　در اتی الرحمٰن عبداً مضمر است
دیں ازو حکمت ازو آئیں ازو　　　زور ازو قوت ازو تمکیں ازو
عالماں را جلوہ اش حیرت دہد　　　عاشقاں را بر عمل قدرت دہد
ملتِ بیضا تن و جاں لا الٰہ　　　سازِ ما را پردہ گرداں لا الٰہ

---

[1] اس کا یہ مطلب نہیں کہ مخلوق (محسوسات) کی نفی قطعی کی جائے، بلکہ یہ کہ سوائے حق تعالیٰ کے کوئی وجود ذاتی خارجی نہیں رکھتا، ساری مخلوق صور علمیہ الٰہیہ ہے اور غیر حق ہے، اور وہ موجود و موجود حق ہوئے ہیں ھو الاول والآخر والظاہر والباطن وھو بکل شیٔ علیم،

لا الٰہ سرمایۂ اسرارِ ما　　رشتہ اش شیرازۂ افکارِ ما

ما مسلمانیم و اولادِ خلیل　　از "ابیکم" گیر اگر خواہی دلیل

تیرِ خوشش پیکانِ یک کیشیم ما　　یک نماینک بیں، یک اندیشیم ما

(رموزِ بیخودی)

مثنوی معنوی میں مسائلِ تصوّف کی روحِ اعظم یہی مسئلہ ہے،

چیست توحیدِ خدا آموختن　　پیشِ واحد خویشتن را سوختن

گر ہمی خواہی کہ بفروزی چو روز　　ہستی ہمچون شبِ خود را بسوز

دو مگو و دو مداں و دو مخواں　　بندہ را در خواجۂ خود محو داں

دیوان میں مسئلۂ توحید یعنی ایک کے ہو رہنے پر مولانا نے بیحد زور دیا ہے اور اس میں جوش اور غیرت دلانے کا ان کا جو خاص انداز ہے، وہ ہر جگہ نمایاں ہے،

صوفی شعرا میں اگرچہ ہر ایک نے اصولاً اسی مسئلہ کو بنیاد ٹھہرایا ہے لیکن ان جذبات کا اظہار ان کے کلام اور ان کے بیان کا جزوِ اعظم نہیں ہے، مثلاً جامی کا رنگ زیادہ تر نعتیہ ہے، سعدی، خسرو اور حافظ نے پیرایۂ مجاز اختیار کیا ہے، خواجہ حافظ فرماتے ہیں،

از دل و جاں شرفِ صحبتِ جاناں غرض است　　ہمہ این است وگرنہ دل و جاں این ہمہ نیست

ان کے کلام میں یہ مضمون بکثرت نہیں آتا، جیسے اور مضامین آتے ہیں،

البتہ عراقی اس خصوص میں ایک حد تک مولانا کے ہمرنگ ہیں،

مرا جز عشقِ تو جانے نمی بینم نمی بینم　　دلم را جز تو جانانے نمی بینم نمی بینم

لیکن دونوں کا اسلوبِ ادا بالکل جداگانہ ہے،

مولانا کے دیوان میں خیال اور بیان کے زور اور جوش کی روح یہی مسئلہ ہے، اس گلزارِ توحید کے چند پھول ملاحظہ ہوں،

ایک کا ہو رہنا،

از بہر خدا عشق دگر یار مدارید
در مجلسِ جاں فکر دگر کار مدارید

یار دگرو کار دگر کفر محالست
در مذہب حق مذہب کفار مدارید

مولانا کے نزدیک ظہور کثرت کا مقصد ہی حصول توحید ہے،

اے از جمال حسن تو عالم نشانہ
مقصود حسنِ تست دگرہا بہانہ

اگر عکس غیر آب حیات میں بھی ہو تو مولنا کے نزدیک ہیچ ہے،

ہر آن آبے کہ در وے عکس غیر است

اگر آب حیات است آں نشاید

بے گانگی خارِ عشق ہے،

ہر چہ غیر خیال معشوق است
خار عشق است اگر بود گلزار

خار بے گانہ را تو یکسو کن،
خار گل را بجائے دل می دار

گر تو خواہی وطن پر از دلدار
خانہ را رو تہی کن از اغیار

مولنا کو صرف جمال حق منظور ہے، اور وہی مشہود ہے،

مرا غیر تماشائے جمالت
نباشد در جہاں خود کار دیگر

کائنات کے سارے مشاغل سے عشق حق اپنے لئے انتخاب کیا ہے،

از جملہ جہان و عیش عالم
من عشق تو اختیار کردم

اس اعلیٰ نسبت کے بعد ادنیٰ نسبت کی طرف توجہ نہیں ہوسکتی،

چونکہ کمر بستہ ام بہر چناں ہے بجد

از پئے ہر ستارہ ترک قمر چرا کنم

ترکِ شہودِ حق   توئی آفتاب چشمم بجمالِ تست روشن،

اگر از تو باز گردم بکہ چشم باز دارم،

ہمہ جمالِ تو بینم چو چشم باز کنم   ہمہ شراب تو نوشم چو لب فراز کنم

بایں بہانہ درین بزم محرمے جویم،   غزل سرایم و پیغام آشنا گویم

پیغام گوئی | عہدِ جدید میں پیغام گوئی شاعری کی ایک خاص نوع سمجھی جاتی ہے، اور اسکی آجکل علمی و ادبی حلقوں مین اہمیت بھی بہت زیادہ ہے، جب شاعر کا کلام سامنے آتا ہے، تو اس کے دفترِ معنی مین یہ تلاش کیا جاتا ہے کہ آیا اس نے زندگی کے متعلق کوئی خاص نصب العین اور کوئی خاص تصور پیش کیا ہے، یا نہیں، اس کے پاس بنی نوع کے لئے کوئی خاص پیغام بھی ہے یا نہیں جس کسی شاعر کے کلام میں یہ صفت پائی جاتی ہے، اسے پیغام گو اور اس شاعری کو پیغام گوئی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے،

اردو مین اکبر اور اقبال دو زبردست پیغام گو شاعر ہین، اسی بنا پر ایک کو ترجمانِ حقیقت اور دوسرے کو لسان العصر کہتے ہین، چونکہ اس دور میں شاعری کے اس رنگ کی قدر ہے، اس لئے اس رنگ کی اہمیت محسوس کیجا رہی ہے، سوال یہ ہے کہ پیغام گوئی کی تعریف کیا ہے،

کہا یہ جاتا ہے کہ جب کوئی شاعر زندگی کے بنیادی حقائق، اور عروجِ انسانی کے اساسی اصول کو موزون اور پراثر کلام کی صورت میں بطورِ پیام پیش کرے، اور مخاطب کے لئے خیال اور عمل کی ایک مخصوص راہ منتخب کرے، تو اس قسم کی شاعری کو پیام گوئی سے موسوم کیا جاتا، اور شاعر اسی روشنی میں پیغامبر کہا جاتا ہے، اسی نقطۂ نظر سے گرامی مرحوم نے علامۂ اقبال کے متعلق لکھا ہے،

در دیدۂ معنی نگہان حضرتِ اقبال   پیغمبری کرد و پیمبر نتوان گفت،

لیکن اس سے اخلاقی پند و نصائح کی وہ صورت خارج ہے، جو بوستان وغیرہ مین پائی جاتی ہے، یا اردو میں مولوی اسمٰعیل صاحب میرٹھی کی نظمون میں ہے،

فارسی شاعری کے صوفی اور رند مشرب شعرار کے منظومات میں اپنے اپنے مشرب کے مطابق کچھ نہ کچھ ایسا پیام ملتا ہے مثلاً عطار اور عمر خیام کا کلام لیکن وہ اتفاقیہ ضمنی یا غیر شعوری طور پر ہے جس کسی کے کلام مین حقائق کی ترجمانی ہے تو وہ بصورت پیام نہین، برخلاف اس کے مولانا کے کلام مین یہ رنگ غالب ہے، اور مولانا نے عمداً یہ رنگ اختیار کیا ہے، شاعری اونھون نے اسی لئے اختیار کی ہے، ان کے لئے غزل یا مثنوی صرف ایک بہانہ ہے، جس کے ذریعہ سے انھین پیام آشنا محرم راز یا گوش آشنا تک پہونچانا مقصود ہے، جامی نے اون کے متعلق بالکل سچ کہا ہے، کہ ع

نیست پیغمبر و لے دارد کتاب

شاعری انھین اس لئے ملی ہے کہ اون کا پیام جذباتی رنگ کے ذریعہ لوگون کے دلون تک پہونچ جائے، ان کی شاعری ان کے پیغام کے تابع ہے، اس کی تاریخی شہادت ہم نے پچھلے مباحث مین درج کر دی ہے،

پیغام گوئی کے نقطۂ نظر سے مولانائے روم اس زمانہ سے دور حاضر تک فارسی زبان کے سب سے بڑے پیغام گو شاعر ہین،

البتہ اس دور مین ڈاکٹر اقبال ہی فارسی کے ایک ایسے شاعر ہین، جنھون نے مولانا کے کلام کی اس خصوصیت کو کامل طور پر محسوس کیا، اور اس کے قدر شناس ہین، اس رنگ کو خود اونھون نے ایک خاص مجتہدانہ طریقہ پر حیرت انگیز ترقی دی ہے، اسرار خودی مین اقبال نے اس کا اقرار کیا ہے،

باز بر خوانم ز فیض پیر روم — دفتر سربستہ اسرار علوم
جان او از شعلہ ہا سرمایہ دار — من فروغ یک نفس مثل شرار
پیر رومی خاک را اکسیر کرد — از غبارم جلوہ ہا تعمیر کرد
موجم و در بحر او منزل کنم — تا دُر تابندۂ حاصل کنم،

من کہ مستیہا ز صہبایش کنم،

زندگانی از نفسہایش کنم،

بمصداق مشتے نمونہ از خروارے مولانا کے پیامات کی طرف توجہ کیجاتی ہے، مولانا مادی ذہنیت اور مادی زندگی کے سخت مخالف ہین، وہ انسان سے مخاطب ہوکر یہ پیام دیتے ہین کہ تیری ہستی اشرف ترین خلائق ہے، تو صرف ادنیٰ چیزون پر کیون نظر کرتا ہے، اور قانع ہوتا ہے،

حرص کاہ وجو دار و خرمراں در آب و گل   تا نمانی زاب و گل مانند خرا اندر خلاب

چون بیک نان انگنی سگ بو کند آنگہ خورد   سگ نہ شیری چہ باشد بہر آن چندین شتاب

عشق است و عاشق است کہ باقیست تا ابد   دل بر جبد منہ کہ بجز مستعار نیست

رجائیت و پیغام طرب، | مولانا صاحب ولایت ہین، ولایت اور حزن و خوف مین تضاد ہے،

چنانچہ قرآن مجید مین وارد ہے، الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیهم ولا هم یحزنون

بندۂ مسلم طریق رضا اور راہِ ہستی مین کوکب درخشان کی طرح تبسم بر لب گذر جاتا ہے، غیر اللہ کا خوف آزادانہ عمل کا دشمن ہے، اور یہی حریت اور زندگی کے میدان مین راہزنی کرتا ہے،

اے کہ در زندانِ غم باشی اسیر   از نبی تعلیم لا تحزن بگیر،

قوتِ ایمان حیات افزایدت   ورد لا خوف علیهم بایدت

چون کلیمے سوے فرعونے رود   قلبِ او از لا تخف محکم شود

گر خدا داری ز غم آزاد شو،

از خیالِ بیش و کم آزاد شو،

حزن ویاس ام الخبائث ہیں، مولینا اس لئے حزن ویاس کے بڑے دشمن ہیں، کہ یہ دونوں جذبات زندگی کو ختم کردیتے ہیں، اسلئے وہ حکم دیتے ہیں،

سوے شورستان روان کن شاخ از آب حیات ... چون گل وسوسن بجذان خار غم فرسود را

بگرداے مرغ دل پیرامن غم ... کہ در غم بال وپر مستحکم نہ گردد،

ملول اسرار را محرم نہ گردد،

عالی ہمتی، مولانا کے کلام میں انسان کے لئے بلند نظری، عالی ہمتی اور اظہار عزم کے لئے پیامات ہیں،

چون چشمۂ بجوشش از دل سنگ ... بشکن تو سبوے جسم وجان را

بربند دو چشم عیب بین را،

بکشاے دو چشم غیب دان را

چون عنکبوت چنان صید ہای زفت گرفت ... ببین چہ صید کند دام ربی الاعلی

گفتم کہ نیافت می شود جستہ ایم ما

گفت آنکہ یافت می نشود آنم آرزوست،

میان حلقۂ عشاق چون نگیں میباش ... علم بزن چو دلیران میانہ صحرا

مولینا جمود شک اور تذبذب کے سخت مخالف ہیں، ان کا پیغام جد وجہد اور یقین کے جذبات کا حامل ہے،

دامن جد وجہد را بکشاے، ... کز فلک در نثار خواہد بود،

آزادی عشق درگلستان چو سرو آزاد باش ... در کشادِ دل چو عشق استاد باش

وہ عشق کے پیغامبر و مبلغ ہیں،

گرنہ دیوانہ رو خویش را دیوانہ ساز

دوزخ عشق نگر تا بصفت مرد شوی	پیش سردان منشین کز دم شاں سرد شوی

قلب انسان کو محرم اسرارِ غیب ہونا ضروری ہے، اون کا پیغام یہ ہے کہ انسان عرشِ مجید کو اپنا مقام بنائے،

مارا نبیذ و بادہ از چشم غیب باید،	مارا مقام و قبلہ عرشِ مجید باید،

وہ منادی کرتے ہیں کہ رسالت سے ربط رکھو، علم و عمل کی تصحیح انسانیت اسی روشنی میں کرے، ملاحظہ ہو،

نیش بکشتی نوح وبگیر دامن روح	بہ بحرِ عشق کہ ہر لحظہ جزر و مد باشد

مشکوٰۃ رسالت کی آخری شمع حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، انکے متعلق فرماتے ہیں،

ردائے احمدِ مرسل بگیر اے عاشق	صلائے عشق شنو ہر دمے ز روحِ بلال

مجو سعادت و دولت دریں جہان کہ نیابی	ز بندگیش طلب کن سعادت دو جہانی

بعض بعض غزلین کا ملا پیغام ہی کی صورت میں ہیں،

ہمرنگِ جماعت شو تا لذتِ جان بینی	در کوئی خرابات آ تا درد کشان بینی،

بشکن بتِ خاکی را تا روے بتان بینی،	بربند دو چشم سر تا چشم نہاں بینی،

یا وسعت ارض اللہ در حبس چہ چسپیدی	ز اندیشہ گرہ کم زن تا شرحِ جنان بینی

خاموش شو از گفتن تا گفت بری یابے

از جان و جہان بگذر تا جان جہاں بینی

تو یار خلوت نازی مقیم پردہ رازی	قرارگاہ چہ سازی درین نشیمن فانی

تو مرغ عالم قدسی ندیم مجلس انسی	ازیں حظیرہ بروں پر کہ مرغ عالم جانی

بجمال خود نظر کن بدو دیدہ سفرے کن

زشمس عالم صورت بہ غمزہ ارسمائی

پیر روشن ضمیر کی تعریف، مولینا کے مہمات مضامین سے ایک خاص مضمون اپنے پیر روشن ضمیر حضرت شمس کی مدح کا ہے انھوں نے سینکڑوں اسلوب سے اس مضمون کو ادا کیا ہے، یہ ان کے دیوان کی ایسی خصوصیت ہے جو کسی صوفی شاعر کے دیوان میں نہیں پائی جاتی، اس موضوع سے متعلق ہم نے داخلی شہادت میں طول طویل بحث کی ہے، اسلئے اب یہاں نہایت اختصار سے کام لیا جاتا ہے، اگرچہ یہ شمس تبریزی کی مدح ہے، لیکن درحقیقت انسانِ کامل کا تصور پیش کیا ہے،

شنو این رمز عشاق از نوائے بربط جانم ۔ کہ شمس الدین تبریزی ہمی گوید بافسانہ

بیا اے شمس تبریزی کہ در رفعت سلیمانی ۔ زہے بزم خدایانہ زہے سیمائے شاہانہ

اے قاصد باد صبا از راہ لطفت عرض کن ۔ بر شمس تبریزی زما ہر دم ہزاراں آفرین

دل خود را ز شمس الدین تبریزا ۔ ہمیشہ روشن و معمور خواہم،

شمس الدین تبریزی در آئینہ ضیاگشت ۔ گر غیر خدا بینم باشم بتر از کافر،

اے شمس دین ای شمس دین مفتاح علم گنج دین ۔ عشق تو در ہر دو جہان ما ہمگنان در کار شد

استدلال تمثیلی مسلمہ حقائق یا ذاتی خیالات اور نظریات کو ظاہر کرنے اور اون پر زور دینے کا ایک دلچسپ اور پراثر طریقہ یہ ہے، کہ انھیں تمثیلی پیرایہ میں بیان کیا جائے، یہ طریق استدلال بعض موقع پر صحیح ہوتا ہے، اور بعض موقع پر غلط بھی ہوسکتا ہے، بعض لوگ اس میں زبردست منطقی دھوکا دیتے ہیں، اچھی اور صحیح بات کو اچھی مثال کے پیرایہ میں پیش کرکے اسے قوی کرسکتے ہیں، اور بری مثال اور غلط تمثیل سے مخاطب کو غلط تخیلات میں مبتلا کیا جاسکتا ہے یا کسی غلط تصور یا خیال کو نہایت لطیف تشبیہ اور مثال کی صورت میں پیش کیا جاسکتا ہے، گویا سوفسطائیت سے کام لیتے ہیں لیکن

جب کوئی خیال حقیقت کا بھی حامل ہو، اور اسے عمدہ تمثیلی پیرایہ میں پیش کیا جائے تو اس سے اسکی قوت بڑھجاتی ہو، یہ استدلال عام فہم ہوتا ہے، مولینا تمثیلی استدلال میں بڑا کمال رکھتے ہین، مثنوی میں ہزاروں مواقع پر اس کمال کا بڑی خوبی سے اظہار فرمایا ہے، جس سے مثنوی کے دقیق مطالب واضح اور روشن ہوگئے ہین، دیوان میں بھی ان کا یہ رنگ قائم ہے، عمر خیام وغیرہ جیسے شعراء یا حکماء نے اپنے ذاتی خیالات اور عیش پسندانہ جذبات کو تمثیلی پیرایہ مین ظاہر کیا ہے، اور ان پر خطابی یعنی شاعرانہ دلائل قائم کئے ہین،

مولینا اس کے جواب میں دینی حقائق اور غیبی معارف اور اخلاقی مسلمات کو اس پیرایہ میں بیان کرتے ہین، اور جواباً نہایت خوبی سے خطابی دلائل لاتے ہین،

مثلاً معاد کے انکار میں عمر خیام نے لکھا ہے، کہ آدمی کوئی گھاس نہیں ہے، کہ ایک بار کاٹ لیں، اور وہ دوبارہ زمین سے پیدا ہو،

مولینا اس خیال کی تردید اسی پیرایہ میں فرماتے ہین،

کدام دانہ فرورفت در زمیں کہ نہ رست　　　چرا بدانۂ انسانت این گمان باشد

اور کئی مسائل مولینا نے اسی پیرایہ میں لکھے ہین، چنانچہ فرماتے ہین، :-

شمع جاں را گر داین لگن تن چہ کنی　　　این لگن گر نہ بود شمع ترا صد لگن است

چنانکہ آب حکایت کند ز اختر و ماہ　　　ز عقل و روح حکایت کنند قالبہا

کائنات میں ایک چیز مختلف مراتب ترقی سے گزر رہی ہے، مولینا فرماتے ہین تو ایک درجہ پر پہنچکر مایوس مت ہو، کہ تجھے اس سے آگے کا درجہ ملے گا،

ہزار مرغ عجیب از گل تو پر سازند　　　چو ز آب و گل گذری تا دگر جہات کنند

ذمہ داری کے نقطۂ نظر سے اپنی حیثیت واضح فرماتے ہین،

من نہ خود آمدم اینجا کہ بخود باز روم　　کہ آورد مرا باز برد در وطنم

عربیت　مہمات مضامین کی بحث ختم ہو چکی، لیکن ابھی بعض اور خصوصیات توضیح اور تشریح کی محتاج ہیں،

مولینا نے بچپن ہی میں اپنے والد بزرگوار کی نگرانی میں علوم ظاہر کی تحصیل شروع کر دی تھی اور

لغت، ادب، فقہ، معقولات، حدیث، و تفسیر میں ایسا کمال پیدا کیا، کہ بہت جلد مستند علما میں شمار ہونے لگے

سپہ سالار کا بیان ہے،

"در علوم رسمی چوں اقسام لغات و عربیت و فقہ و حدیث و تفسیر و معقولات و منقولات

بہ غایتے رسیدہ بود کہ در آن عصر سر آمد ہمہ علما، دہر شدہ بود،"

(سپہ سالار ص ۱۶)

اس سے مقصود یہ بتانا ہے، کہ عربی ادب اور لغت میں بھی مولینا کو پورا کمال حاصل تھا، دیوان

میں بھی ان کا یہ کمال مختلف صورتوں میں نمایاں ہے،

کہیں کسی غزل میں بعض اشعار عربی کے ہیں، کہیں صرف بعض مصرعے عربی کے ہیں، کہیں پوری

کی پوری غزل اسی جوش و روانی کے ساتھ جو فارسی غزلیات میں ہے، عربی میں لکھی ہے، اس طرح

دیوان میں عربی کی کئی غزلیات ہیں،

عربی غزل میں بھی حضرت شمس کی مدح و تعریف اپنی عام عادت کے مطابق کرتے ہیں،

یا منیر النجد یا روح البقا　　یا مجیر البدر فی کبد السماء

انما التبریز عرش منیر　　حبذا تبریز ارضا حبذا

قمر سار الینا و جب الحب علینا　　سطع العشق لدینا طرد العشق منامی

سلب العشق فوادی حصل الیوم مرادی　　بزن ای مطرب عارف رہ دولت زہی شادی

قرآن مجید کی آیات کے مختلف ٹکڑے اپنے اشعار میں داخل کرتے ہیں، جن سے بعض اوقات

معنی کی پوری خوبی اور کلام کا منشا اور مفہوم کامل طور پر واضح ہو جاتا ہے،

نوبت ہجر در انتظار گذشت ، فادخلوا الدار یا اولی الالباب

گر شما محرم ضمیر نئید ، فاسئلو هُنَّ من وراء حجاب

بعثر ما فی القبور حصّل ما فی الصدور ، آمده آواز صور روح بمقصد رسید،

بر گہ ما چون نامها بردی نوشته خط سبز ، شرح آن خطها بخوان از عنده ام الکتاب

تسلسل مضامین، جب سے مغربی تعلیم مشرق میں پھیلی ہے، اور مغربی ادب کا اثر مشرقی ادبیات پر پڑا ہے، بعض لوگ عموماً مشرقی شعراء اور خاصکر اردو اور فارسی غزل پر یہ اعتراض کرتے ہیں، کہ یہ تو شعر کی ایک مہمل صورت ہے، اس میں نہ خیالات کا کوئی تسلسل ہوتا ہے، نہ جذبات کی یکرنگی ظاہر ہوتی ہے، اصولاً یہ اعتراض غلط ہے، کیونکہ یہ کیا ضروری ہے کہ ہر شاعر کے جذبات میں یکرنگی ہو اور جذبات و خیالات کا اظہار ایک علمی مضمون کی طرح شعر میں بھی منطقی تسلسل کے ساتھ کیا جائے، یہ تو شاعر کے شخصی رجحان پر ہے، جیسا طبیعت کا رنگ ہوگا، جذبات کی جو نوعیت ہوگی، اسی طور پر خیالات اور جذبات کی ترجمانی ہوگی،

اس بحث کے قطع نظر بھی یہ اعتراض غلط ہے، فارسی میں متعدد ایسے شعرا ہیں جن کی غزلیات میں مضامین کا تسلسل پایا جاتا ہے، مثلاً عراقی، مغربی، مولانا روم وغیرہ، مولینا غزل گوئی میں تسلسل مضامین کے موجد ہیں، کیونکہ مولینا کے ہمعصر مجتہد غزل گو شاعر سعدی ہیں، ان کی غزلیات میں یہ خصوصیت نہیں ہے، ہاں مولینا کے معاصرین میں عراقی کی غزلیات میں بھی مضمون کا تسلسل ایک حد تک پایا جاتا ہے،

مولینا کے دیوان میں بکثرت ایسی غزلیں ہیں، جن پر نہایت آسانی کے ساتھ کوئی عنوان لکھدیا جا سکتا ہے، جس سے وہ صاف مسلسل نظمیں معلوم ہوں گی، اسکی وجہ یہ ہے کہ ان کی غزلیں

کسی خاص حالت کے تحت میں لکھی گئی ہیں، اسلئے ہر غزل میں کسی نہ کسی خاص حالت یا جذبے کا مسلسل بیان ہے
ان کا کلام جذبات کا آئینہ ہے، مثلاً ایک غزل میں شادی وصال کا اظہار کیا ہے،

معشوقہ بہ سامان شد تا باد چنیں بادا، کفرش ہمہ ایمان شد تا باد چنیں بادا
زان طلعت شاہانہ زان مشعلۂ خانہ، ہر گوشہ چو بستان شد تا باد چنیں بادا
غم رفت و فتوح آمد شب رفت و صبوح آمد خورشید درخشاں شد تا باد چنیں بادا

ایک غزل ہے جس میں مسلسل بے نیازی عشق کو بیان کیا ہے،

مرد خدا مست بود بے شراب مرد خدا سیر بود بے کباب،
مرد خدا شاہ بود زیر دلق مرد خدا گنج بود در خراب،
مرد خدا بحر بود بے کران مرد خدا قطرہ بود بے سحاب،

یار مطلوب ہے، اور ربط یار کی اہمیت و لذت کا احساس قلب پر طاری ہے، فرماتے ہیں،

مرا عقیق تو باید شکر چہ سود کند مرا جمال تو باید قمر چہ سود کند
چو چشم مست تو نبود شراب را چہ طرب چو ہمرہم تو نباشی سفر چہ سود کند

یہ خیال آتا ہے کہ بے یار سب عیش و عشرت بے معنی ہے، بس اسی خیال کو ظاہر فرماتے ہیں،

اے بے تو حرام زندگانی خود بے تو کدام زندگانی،
اے وصل تو آب زندگانی تدبیر خلوص ما تو دانی،
از دیدہ برون مشو کہ نوری، از سینہ جدا مشو کہ جانی،

مولینا ایک محرم راز کی تلاش میں ہیں، اس تمنا کا اظہار مسلسل ایک غزل میں فرماتے ہیں،

چہ بودے کہ یک گوش پیدا شدے شنیدے زبانہائے مرغان ما
چہ بودے کہ یک چشم پیدا شدے کہ دیدے درختان بستان ما

چہ بودے کہ موجے پدید آمدے — گہر بار از ان بحرِ عمّان ما

کہیں کہیں مسلسل غزلیں پر لطف مکالمہ کی صورت میں ہین،

گفتم شہا بس قطرہا در ہجر تو باریدہ ام — گفتا چہ غم ہر قطرہ را من لو لوِ مکنون کنم

گفتم شہا بسیار شب دیدہ نیا لودم بخواب — گفتا شبے را صد شبے در عمر تو افزون کنم

کبھی حال کی شدّت ہوتی تھی تو اسکو نہ صرف ایک غزل میں بلکہ مسلسل کئی غزلون میں ظاہر کرتے ہین، بعض اوقات یہ غزلیں ایک ہی بحر اور ردیف و قافیہ میں ہوتی ہین، ایک غزل جس کا مطلع یہ ہے،

وال رباب را بگو مرداں سلامت میکنند — وال مرغ آبے را بگو مردان سلامت میکنند

مسلسل چار غزلین اسی مضمون اور اسی بحر ردیف اور قافیہ میں لکھی ہیں، ابتدا میں وجد اور مستی طاری رہتی تھی کئی ایسی غزلیں مسلسل ہین جنکی ردیف "مست" ہے، جس سے شدتِ حال کا پتہ بھی چلتا ہے، ہم مثالاً چند مطلعے درج کرتے ہیں،

آمد آن ساقی کہ ما را کرد از دیدار مست — وز شرابِ لعلِ او شد زاہد و خمّار مست

از سقیہم ربہم بین جملۂ ابرار مست، — وز شرابِ لا یزالی ہفت و پنج و چار مست

اے سرِ من در ہوائے احمد مختار مست — وے دلِ من در ہوائے حیدرِ کرار مست

شاعرانہ بیان کی خوبیان یعنی شعر کے صوری محاسن

ہم نے ابتک مولینا کی غزلیات کی معنوی خوبیان یا شاعرانہ خیال کے محاسن بیان کئے، اب ہم ان کے کلام میں شاعرانہ بیان کی جو خوبیان پائی جاتی ہین، انکی طرف متوجہ ہوتے ہیں،

مولینا کے کلام میں شاعرانہ طرز ادا کی بہت سی خوبیان ہین،

سادگی

ان میں سے ایک سادگیٔ بیان ہے یعنی مولینا اشعار میں اپنا مطلب اس طرح ادا کرتے ہیں،

کہ سمجھنے میں مطلق دقت نہیں ہوتی، جیسے فارسی کے نامی غزل گو شاعر بیدل کے کلام کے سمجھنے میں، ہوتی ہے، مولانا بالعموم ایسے ہی الفاظ استعمال کرتے ہیں جن سے زبان مانوس اور کان آشنا ہیں، ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے، کہ خود ان کے خیالات میں سادگی ہے یعنی ان کے تصورات اور خیالات پیچیدہ اور الجھے ہوئے نہیں ہیں جس خیال پر وہ شعر کی بنا رکھتے ہیں، وہ ان کے سامنے واضح ہوتا ہے، وہ کوئی ایسی بات دوسروں کو نہیں سمجھانا چاہتے جسکو خود انھوں نے بخوبی نہ سمجھا ہو اور کسی ایسی کیفیت کی ترجمانی نہیں کرتے، جو ان پر گذری نہ ہو، لفظوں کی ترکیب اکثر جگہ قواعد زبان اور اصول بیان کے مطابق ہوتی ہے، ان کے اشعار میں مضمون کے ضروری اجزا ترک نہیں کر دیئے جاتے جس سے شعر کا سمجھنا معمہ کا حل کرنا ہو جائے، یہ ساری چیزیں ایسی ہیں، جن کے باعث ان کے کلام میں سادگی اور سلاست پیدا ہو گئی ہے،

بر چرخ سحر گاہ یکے ماہ عیاں شد ۔ تا سر تجلی ازل جملہ بیان شد

چنان آمیختم با وے کہ دل با من نیامیزد ۔ نخست از عشق او زادم بآخر دل بدو دادم

من از عالم ترا تنہا گزینم ۔ روا داری کہ من غمگین نشینم،

مکانم لامکان باشد نشانم بے نشاں باشد ۔ نہ تن باشد نہ جان باشد کہ من از جان جانانم

عشق است در آسماں پریدن ۔ صد پردہ بہر نفس دریدن

ہر کہ بہر تو انتظار کند ۔ بخت واقبال را شکار کند

ہاں اتنا ضرور ہے کہ یہ سلاست کمال کی اس حد تک نہیں پائی جاتی، جسے سہل ممتنع کہتے ہیں، غزل گو شعرا میں یہ صفت شیخ سعدی کا خاص کمال ہے،

جدت و حسن تشبیہ شاعر کا فرض جذبات کی ترجمانی ہے، جذبات کی ترجمانی ہر موقع پر بلا استعارہ و تشبیہ کے ممکن نہیں، ناقابل بیان جذبات کو الفاظ کا جامہ پہنایا، اور محسوس کو مشہود بنانے کے لئے تشبیہ اور استعارے

سے کام لیا جاتا ہے، اس کا منشا یہ ہوتا ہے، کہ مطلب واضح ہوجائے، مولینا اپنے کلام کے مقصود اور منشا کے مطابق نہ صرف تشبیہ کا استعمال کرتے ہیں، بلکہ وہ تشبیہ کے موجدین میں ہیں، یہ اسلئے کہ وہ غزل کے دور اول کے شعراء میں ہیں، انھوں نے سیکڑوں تشبیہات کو غزل میں استعمال کیا ہے، ان کا کلام کثیر ہے، اسلئے ان کا شمار مقلدین میں نہیں بلکہ موجدین اور مجتہدین میں ہے،

وہ اپنے کلام میں ایسی تشبیہیں اور استعارے نہیں لاتے جن تک ذہن کی رسائی مشکل ہو، اور کلام ایک حل طلب معمہ بنجائے، بلکہ انھوں نے کلام میں تشبیہ اور استعارے کا استعمال اس طریقہ سے کیا ہے، کہ اگر ایک طرف اعلیٰ مطالب اور بلند خیالات واضح تر ہوگئے ہیں تو دوسری طرف ان سے ان کے حسن بیان میں اضافہ ہوگیا ہے، حسن بیان اور حسن تشبیہ کی مثالیں ملاحظہ ہوں،

در شہر کہ دیداست چنیں شہرہ بتے را ۔ در بر کہ کشیداست سہیل و قمرے را

شب قدر است موے تو کز و یابند دولتہا ۔ مہ بدر ست روے تو کز و رفتند ظلمتہا،

گیریم دامن گل و ہمراہ گل شویم، ۔ رقصاں ہمی شویم چو شاخ نہال گل

ز زندان زہرہ را آزاد کردم، ۔ روان عاشقاں را شاد کردم،

بحر کی موزونیت اور کلام کی روانی

شاعرانہ بیان یا طرز ادا کے محاسن میں ایک اہم جزو بحر کا انتخاب ہے، یہ شاعر کے ذوق سلیم پر منحصر ہوتا ہے کہ وہ جذبات اور خیالات کی مناسبت سے بحر کا انتخاب کرے، پرجوش اور مسرت انگیز جذبات کے لئے ایسی بحر میں استعمال نہ کرے، جس سے ادائے مطلب میں سستی ظاہر ہو، عشق کے لطیف اور نازک احساسات کے لئے ایسی بحر منتخب کرنی چاہئے جو رزمیہ نظم کے لئے موزوں ہو، مثلاً فردوسی نے اپنی مثنوی یوسف و زلیخا میں یہی غلطی کی تھی جس سے اس کی نظم شاہنامہ کے مقابلے میں ناکام رہی،

مولینا کے کلام میں یہ خصوصیت ہے کہ وہ اپنے خیالات ان کی قوت اور جوش کے مطابق

بحریں استعمال کرتے ہیں، نہ صرف بحر، بلکہ ردیف اور قافیے تک اکثر جگہ نہایت مناسب اور برمحل ہین،
یہ خصوصیت خسرو میں بھی حد کمال تک پہنچ گئی ہے، اگر ان خیالات کو حافظ یا خسرو کی بحرون میں ادا
کیا جائے، تو ان کے کلام کا زور اور اسکی روانی باقی نہ رہے گی، اسی طرح حسن دہلوی اور خسرو نے جن
خیالات کو چھوٹی چھوٹی پاکیزہ بحروں میں ادا کیا ہے، اگر انکے لئے مولینا کی غزلون کی بحریں استعمال
کیجائین، تو کلام بدمزہ ہو جائے گا،

مولینا کے اس حسن انتخاب کے باعث ان کے کلام میں بڑی روانی پیدا ہو گئی ہے، اکثر بحرین
شدتِ حال، جوشِ دل اور زور وارفتگی کے مناسب ہیں، چند مثالوں سے ان کی اس خصوصیت کا
اندازہ ہو جائے گا،

جوشِ بہار:-

بہار آمد بہار آمد سلام آورد مستاں را — ازاں شاہنشہِ خوبان پیام آورد مستاں را
چو خسرو زلف شیرین را اگر گفتم — اگر قصہ سرِ فرہاد کردم،

اپنی حقیقت:-

نہ از دنیا نہ از عقبی نہ از جنت نہ از دوزخ — نہ از آدم نہ از حوا نہ از فردوس رضوانم

ربطِ پیر:-

بے دولت مخدومی شمس الحق تبریز — نے ماہ تواں دیدن وَنے بحر تواں شد

فخر نسبت:-

بخت جوان یار ما دادن جان کار ما — قافلہ سالار ما فخر جہاں مصطفیٰ است

لطیف اور نازک مضامین کے لئے پھول سی شگفتہ اور چھوٹی بحرین استعمال کرتے ہیں،

آن دلبر گلعذار آمد — آن یوسفِ روزگار آمد

پیغام ز نفخ صور داری، بکشائے لب پیمبری را،
بگستر سایہ خود بر سرِ ما، کہ ظلِ حق تعالیٰ داری از وے

پرگوئی، مولینا نہایت پرگو شاعر ہیں، یہ وصف مثنوی اور دیوانِ غزلیات دونوں سے ظاہر ہے، لیکن دیوان میں زیادہ نمایاں ہے، کیونکہ یہ ضخیم تر ہے، اس میں ذوق کلام سے زیادہ غلبۂ حال کو دخل ہے، البتہ اثر کے اعتبار سے مثنوی کا درجہ بلند ہے، لیکن دیوان میں بھی ایک ایک لفظ سے ولولہ جوش اور مستی ٹپکتی ہے، دیوان میں کثرتِ کلام یا پرگوئی کی وجہ یہی ہے، کہ اس دور سرمستی میں میلان طبیعت سخن کی طرف زیادہ تھا، کیونکہ اس زمانہ میں محفلِ سماع کی بھی کثرت تھی، مثنوی صاحبِ مقام ہونے کے بعد لکھی ہے، اس دور میں وہ ولولہ اور ہنگامہ کہاں، جب کہ وہ صاحبِ حال تھے، اس دور میں حقیقت حال کو خود بے نقاب فرماتے ہیں،

"فرمود کہ اول شعر می گفتیم داعیۂ عظیم بود، کہ موجب گفتن بود"

(فیہ مافیہ صنہ)

مدح گوئی سے احتراز، باوجود اس پرگوئی کے مولینا کا دامن کسی بادشاہ یا امیر کی مدح گوئی کے داغ سے داغدار نہیں ہوا خصوصًا اس دور میں جب کہ نظامی سعدی اور خسرو جیسے اہل دل بھی اس سے نہ بچ سکے،

عیب مکن گر غزل ابتر بماند، نیست وفا خاطر پرندہ را،

(سرمہ محمد)

شاعرانہ بیان یا طرز ادا کے نقائص، مولینا کے کلام میں ایک طرف شاعرانہ نقطۂ نگاہ سے اگر مختلف محاسن ہیں، تو بعض نقائص اور کمزوریاں بھی اس حد تک نمایاں ہیں کہ ہم انہیں انکی خصوصیات کلام کے دائرہ سے خارج نہیں کر سکتے، اسکا سبب تو ہم آگے عرض کریں گے، پہلے فرض تنقید کی ادائی کے لئے اس نوع کی چند نقائص کا بھی ذکر کرتے ہیں،

زبان صنفِ غزل کے مناسب نہیں، ہر صنفِ سخن میں زبان کا رنگ خاص ہوتا ہے، جو زبان انوریؔ خاقانیؔ ظہیرؔ اور سلیمان وغیرہ کے قصائد کی ہے، وہ کبھی خسروؔ و سعدیؔ اور حافظؔ کی غزل کی نہیں ہو سکتی، لیکن مولینا اس اصول کے پابند نہیں، درحقیقت غزل کا منشا، و مفہوم ہی اصطلاحی حدود سے وسیع ہے، اس لئے مولینا کو نہ الفاظ کی کچھ پروا ہے، اور نہ خاص ترکیبوں کی طرف ان کی کچھ توجہ ہے، اس سے اون کی غزلیات میں وہ لطافت پیدا نہ ہو سکی، جو سعدیؔ حافظؔ یا حسن دہلوی کے کلام کا طرۂ امتیاز ہے،

تعقید لفظی، پیچیدہ ترکیبیں مولانا اپنی دھن اور رو میں بعض بعض جگہ غریب، نامانوس اور ثقیل الفاظ بھی بے تکلف استعمال کر جاتے ہیں، جنھیں غزل تو غزل قصیدے میں بھی استعمال کرنا مناسب نہیں سمجھا جاتا، مثلاً:۔

غلط گفتم کہ مسجد ہاے مارا، ـــــ بروں در بود خورشید بو تاب،
اے آفتاب رُخ بنما از نقاب ابر ـــــ کان چہرۂ مشعشعِ تابانم آرزوست
پندے بدہ وبصلح آور، ـــــ آن چشم خمار عبہری را،

انکے کلام میں لفظی تعقید پیچیدہ اور غیر شگفتہ ترکیبیں بھی ہیں،

این مجمع ملامت وآن محشر قیامت ـــــ گشتست پیشِ حسنت مستغرق عجائب
مایے جز بکم اینجا پر بند در خانہ، ـــــ پرندہ و چرندہ لنگ اندرین حضرت
عجب نباشد اگر مردہ بجوید جان ـــــ دیا کہ سینۂ تفسیدۂ صبا خواہد،

فک اضافت، نظم و نثر میں عموماً اور فارسی زبان میں خصوصاً اضافت، اختصار و ایجاز کا حسن اور اُس کی جان ہے، فک اضافت سے جملہ یا شعر نہایت غیر فصیح ہو جاتا ہے، بقول مولینا شبلیؔ "یہ شریعتِ شعر میں ابغض المباحات ہے"، لیکن مولینا جہان چاہتے ہیں، اس کی پروا کئے بغیر

فک اضافت کرتے ہین ،

عاشقان را شمع و شاہد نیست از بیرون خویش — آب انگوری بخورد بادہ شان از خون خویش

آب یار نور آمد در صفا و روشنی — ہر دو غماز اند صورت را ولیکن ز آفتاب

ہیچ می دانی چہ می گوید رباب — ز اشک چشم و ز جگرہاے کباب

نقص تشبیہ

مولانا نے چونکہ کثرت سے تشبیہیں ایجاد اور استعمال کی ہین، اسلئے ان میں ایسی تشبیہیں بھی آگئی ہیں، جو نہایت غیر لطیف اور نامناسب ہین ،

شمس الحق تبریزی ما چوجہ و تو مرغی — این چوجہ دریں بیضہ ماندست چو دُر در خم

اے داروے فربہی صحت — از بہر تن نزار عاشق ،

ز باد او چون افیون فضل او خوردیم — برون شدیم ز عقل و برآمدیم از کار

پیرایۂ مجاز

اگرچہ غزل شعر کی ابتدا بھی ہے، اور انتہا بھی، لیکن اس کی زبان سادہ اور سہل ہوتی ہے، اسی لئے وہ عوام اور خواص دونون طبقوں میں مقبول ہی، جو قبولیت اس صنفِ سخن کو حاصل ہے، وہ کسی اور صنف کو نصیب نہین ،

ہرچند غزل کی خوبی کے لئے یہ لازم نہین کہ وہ پیرایہ مجاز ہی میں ہو لیکن یہ بالکل صحیح ہے کہ قبولیت عام اس غزل کو زیادہ حاصل ہوتی ہے جس میں بلند خیالات اور روحانی حقائق بھی پیرایہ مجاز میں ادا کئے جائیں، سعدی خسرو اور حافظ کے تغزل کی قبولیت کا سبب یہی ہو کہ وہ مشاہدۂ حق کی گفتگو بھی تقریبًا بلکہ تمامتر بادہ و ساغر ہی کے پیرایہ مجاز میں کرتے ہین، مولینا کے کلام میں یہ بات اس حد تک نہیں ہو، انھون نے اسرار و حقائق کو اکثر بے پردہ ظاہر کیا ہے، اور دیوان میں اپنے ہی اصول

خوشتر آن باشد کہ سرِّ دلبران — گفتہ آید در حدیثِ دیگران

پر عمل نہیں کیا،

(باقی)

روزمرّہ اور محاورہ کی کمی، ہر چند اشعار کا حسن لفظی روزمرّہ اور محاورہ پر منحصر نہیں، لیکن ان سے اکثر موقعوں پر شعر کے لفظی محاسن میں اضافہ ہو جاتا ہے،

مولینا کے کلام میں یہ عنصر بھی غیر نمایاں ہے، سعدی اور حافظ کے ہاں اس کی کثرت ہے، جس سے ان کے کلام کا لفظی حسن بڑھ گیا ہے، نظیری نے بھی اپنے کلام میں کثرت سے روزمرہ اور محاورات باندھے ہیں، تغزلِ ظہوری بھی اس خصوص میں ممتاز ہے،

جدّتِ اسلوب کی کمی، پیرایۂ ادا کی تکرار اور ان کے اسباب، اس کے علاوہ مولینا کے کلام میں بدیع الاسلوبی یا جدّتِ اسلوب کی کمی ہے، اسلئے پیرایۂ ادا کی تکرار پائی جاتی ہے، اس کے برعکس سعدی اور خسرو اور حافظ جدّتِ اسلوب کے مالک ہیں،

اس میں کوئی شک نہیں کہ مولینا کے کلام میں شاعرانہ طرزِ ادا یا شاعرانہ بیان کے یہ نقائص پائے جاتے ہیں، لیکن ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ اسکی وجہ کیا ہے،

سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ کبھی مولینا کو محض شاعری مقصود نہ تھی، بلکہ ان کا مقصود دین کی آواز پہنچانا تھا، اور چونکہ اس زمانہ میں لوگ شعر کے بہت دلدادہ تھے، شاعری کا گھر گھر چرچا تھا، اسلئے انھوں نے اپنے مقصد کے حصول کے لئے شعر کا پیرایہ اختیار کیا،

دیوانِ غزلیات میں آرٹ کے نقائص کی ایک اور خاص وجہ یہ ہے کہ مولینا نے اکثر غزلیات وجد اور مستی کی حالت میں لکھی ہیں، اور اپنے احوال کو الفاظ کی صورت دیدی ہے، ایسی حالت میں اشعار میں زبان اور بیان پر غور کرنے کا کوئی موقع ومحل بلکہ امکان ہی نہ تھا، چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں کہ جوشِ طبیعت اور محویتِ حال وخیال سے فرصت پانا ان کے لئے ممکن نہ تھا،

عیب مکن گر غزل ابتر بماند،

نیست وفا خاطر پرندہ را،

اس لئے کثیر معنوی فضائل اور دیگر صوری محاسن کے مقابلہ میں یہ خفیف نقائص نظر انداز کر دینے چاہئیں،

مولینا کی شاعری کے لئے کسی محفلِ مشاعرہ کی ضرورت نہیں، بلکہ انسان کی ضرورت ہے کہ انکا کلام تفریحی عناصر سے خالی ہے،

عطار اور سنائی کا اثر | مولینا اور ان کی شاعری پر حضرت عطارؒ اور حکیم سنائیؒ کے کلام کا اثر ہے، مولینا نے خود مثنوی اور دیوان میں اسکا تذکرہ کیا ہے، جسے ہم اوپر داخلی شہادت کے سلسلے میں درج کر چکے ہیں، علاوہ اس کے اس موضوع کے متعلق مناقب العارفین میں مولینا کا ایک ارشاد درج ہے، جس سے عطار اور سنائی کے کلام سے انکے تاثر کا اندازہ ہوتا ہے،

"فرمود ہر کہ سخنان عطار را بجد خواند، اسرار سنائی را فہم کند و باعتقاد تمام مطالعہ نماید کلام مارا ادراک کند و برخوردار شود و برخورد"[1]

اس ارشاد سے صاف ظاہر ہے کہ مولانا اور عطار و سنائی کے کلام میں ایک معنوی ربط ہے،

مولینا کے کلام پر خود ان کی رائے، | مولینا کی ضخیم مثنوی (جس میں تقریبًا ساڑھے چھبیس ۲۶ ہزار اشعار ہیں) اور ضخیم تر دیوان (جو تقریبًا ۵۰ ہزار اشعار پر مشتمل ہے) کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے، کہ مولینا شعر گوئی کی طرف بیحد مائل تھے، لیکن واقعہ اس کے خلاف ہے، اسکے ثبوت میں ہم بعض اہم ترین شہادتیں درج کرتے ہیں، جس سے معلوم ہو جائے گا کہ ان کے منشا اور سخن میں کیا ربط ہے، فیہ مافیہ کی عبارت ہے،

آخر من تا این حد دل دارم کہ این یاران کہ نزدیک من می آیند، از بیم آن کہ ملول

---

[1] مناقب العارفین صفحہ ۲۷۶ مطبوعہ آگرہ،

ملول نہ شوند شعری گویم، تا بداں مشغول شوند و گرنہ من کجا شعر از کجا، واللہ کہ من از شعر بیزارم و پیش من ازین بتر چیزے نیست، ہمچنان ست کہ یکے دست در شکنجہ کردہ است و می شوید براے آرزوے مہمان، چون اشتہاے مہمان بدانست مرا لازم شد آخر آدمی بنگرد کہ خلق را در فلان شہر چہ کالا می باید آن خرد و آن فروشد اگرچہ دون ترین متاعہا باشد من تحصیلہا کردم در علوم و رنجہا بردم کہ نزد من فضلا و محققان و زیرکان آیند تا براے ایشان چیزے غریب و نفیس و دقیق عرض کنم، حق تعالیٰ خود چنین خواست آن ہمہ علمہا اینجا جمع کرد و آن سعیہا را اینجا آورد کہ من باین کار مشغول شوم چہ توانم کرد در ولایت ما از شاعری ننگتر کارے نبوذ اما اگر در آن ولایت می ماندیم موافق طبع ایشان می زیستیم آن می ورزیدیم کہ ایشان خواستندے مثل درس گفتن و تصانیف کتب و تذکیر و زہد و عمل ظاہر ورزیدن[1]"

مناقب میں مولینا کا ایک اور بیان درج ہے،

"مردم این ملک از عالم عشق مالک الملک و ذوق درون قومی بے خبر بودند۔۔ چنان مشاہدہ کردیم کہ بہیچ نوع بطرف حق مائل نبودند و از اسرار الٰہی محروم می ماندند بطریق لطائف سماع و شعر موزون کہ طبائع مردم را موافق افتادہ است، آن معانی را درخور ایشان دادیم چہ مردم روم اہل طرب و زہرہ بیان بودند، مثلاً طفلے رنجور شود و از شربت طبیب نفرت نماید والبتہ فقاع خواہد طبیب حاذق دارو چنان نماید کہ دارو را در کوزہ فقاع کردہ بدو دہد، تا بوہم آن کہ فقاعست شربت برغبت نوشیدہ از خلل علل صافی گشتہ حلل صحت در پوشیدہ مزاج سقیم مستقیم کند[2]"

[1] مقدمہ فیہ مافیہ صکت ۳، [2] ۵۲ مناقب العارفین،

اپنے دیوان کی معنوی قدر و قیمت کے متعلق ان کا یہ خیال ہے،

آب حیات آمد سخن کا بد ز علم من لدن — جان را ازو خالی مکن تا بر دہد اقبالہا

خموش شو کہ بسے گفتی و کس نشنود — کہ ایں دہل ز چہ بام است و ایں بہانہ کجا

ع گہر سفتم درین دیواں کہ تا تو رستی از دیوان

اپنے کلام کے صوری نقائص کا ان کو پورا علم و احساس تھا، اس کے متعلق بے لاگ رائے اور صحیح وجہ ان کے پاس تھی، ان میں سے ایک شعر اوپر ہم نے عیوب شعر کی بحث میں درج کیا ہے یہاں اسکے علاوہ دوسرے اشعار درج کرتے ہیں،

تو ز لوح دل فرو خوان تمامی ایں غزل را — منگر تو از زبانم کہ لب و زبان نماند

حضرت شمس سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں،

شمس تبریز بجز عشق ز من ہیچ مجو — زان کسے داد سخن جو کہ سخندان باشد

شیخ سعدیؒ کی قدر شناسی، شیخ سعدی غزل کے بادشاہ ہیں، ان کے کلام میں شاعرانہ حسنِ خیال اور حسن بیان دونوں کی خوبیاں کماحقہ موجود ہیں، لیکن مولینا روم کی ذات عالی صفات اور انکے کلام کی معنوی قدر و قیمت کا انھیں بہت احساس تھا، چنانچہ ملک شمس الدین حاکم شیراز کی ایک درخواست پر انھوں نے مولنا کی ایک غزل بھیجی، اور اس کے متعلق جو خیالات ظاہر کئے ہیں، اس سے ان کے دل میں مولینا کی عظمت اور ان کی شاعری کی قدرشناسی کا پورا اندازہ ہوتا ہے، چنانچہ مناقب میں ہے،

"اصحاب عظام روایت کردند کہ ملک شمس الدین ہندی کہ ملک ملک شیراز بود[1]، رقعۂ بخدمت اعذب الکلام الطف الانام شیخ سعدی علیہ الرحمہ والغفران اصدار کردہ استدعا نمودہ کہ غزلی غریب کہ محتوی بر معانی عجیب باشد ازان ہر یک کہ باشد بفرستی تا غذای جان خود سازم"

[1] والی یا حاکم تھا،

شیخ سعدی غزل نواز ان حضرت مولینا کہ دران ایام بشیراز بردہ بودند وخلق بکلی ربودہ آن شدہ نوشت وارسال کرد وآن غزل اینست ،

ہر نفس آواز عشق میرسد از چپ و راست ما بفلک می رویم عزم تماشا کراست

در آخر رقعہ اعلام کرد کہ در اقلیم روم بادشاہے مبارک ظہور کردہ است واین از نفحات سراوست کہ ازین بہتر سخنے نہ گفتہ اند ونہ خواہند گفتن ومرا ہوس آنست کہ بزیارت سلطان بدیار روم آیم ورویم را برخاک پائے اوما لم"

حضرت جامیؒ کی رائے ، حضرت مولینا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے مشہور اشعار میں مولانا کے کلام کی معنوی قدر وقیمت کا اعتراف فرمایا ہے، اگرچہ اس میں خاص طور پر ذکر مثنوی کا ہے، لیکن یہ دیوان پر بھی صادق آتا ہے ،

من چہ گویم وصف آن عالیجناب نیست پیغمبر و لے دارد کتاب ،

دولت شاہ اپنے مشہور تذکرہ میں مولینا کے کمال اور ان کے کلام کے متعلق لکھتا ہے، "درتحصیل علوم یقینی عالم ربانی ودر مراتب توحید وتحقیق سالک صمدانی است ورموز و اشارات عالم غیب رابشیوہ سخن گستری بیان کردہ وطریق عین الیقین رابواسطہ علم الیقین بعیان رسانیدہ"،

موج چون بر اوج زد آں بحر زخار از شرف
لولوئی منظوم بر ساحل فگند از ہر طرف ،

علامہ شبلی نعمانی کی رائے ، علامہ شبلی جو سخن فہمی میں خداداد ملکہ رکھتے تھے، مولانا کے کلام کے متعلق انکی رائے یہ ہے ،

"مولانا کافن شاعری نہ تھا، اس بنا پر ان کے کلام میں وہ روانی، برجستگی، نشست الفاظ

حسن ترکیب نہیں پائی جاتی، جو اساتذہ شعراء کا خاص انداز ہے، اکثر جگہ غریب اور نامانوس الفاظ آجاتے ہیں، فکِ اضافت جو مذہب شعر میں کم از کم گناہ صغیرہ ہے، مولینا کے ہاں اس کثرت سے ہے، کہ طبیعت کو وحشت ہوتی ہے، تعقیدِ لفظی کی مثالیں بھی اکثر ملتی ہیں، تاہم سینکڑوں بلکہ ہزاروں شعر ایسے بھی انکے قلم سے ٹپک پڑے ہیں، جن کی صفائی اور برجستگی اور دلآویزی کا جواب نہیں"

پروفیسر براؤن اور ڈاکٹر نکلسن کی رائے

پروفیسر براؤن آنجہانی جنھوں نے مدت العمر فارسی ادبیات کی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں اور صاحبِ ذوق بھی تھے، مولینا کے دیوان کے سلسلہ میں ڈاکٹر نکلسن کی رائے سے اتفاق کیا ہے، جسے ہم آگے درج کریں گے،

ڈاکٹر نکلسن کو فارسی کے صوفیانہ ادب سے خاص دلچسپی ہے، خصوصًا مولینا روم کی تصانیف سے انکو بیحد لگاؤ ہے، مثنوی کے صحیح نسخہ کی ترتیب اور ترجمہ کے اہم فرائض بڑی خوش اسلوبی سے برابر انجام دے رہے ہیں، دیوان اور مثنوی کے فرق اور مشابہت پر ان کا یہ خیال ہے،

"ہم نے دیکھا ہے کہ فلسفہ، تصوف مولینا کی آمد طبع کا سرچشمہ ہے، اس سرچشمہ سے مثنوی اور دیوان دو نہریں الگ الگ جاری ہوئی ہیں، ایک کی شان بے پایاں دریا کی طرح ہے، ساکت وعمیق نہایت زرخیز، اور گوناگوں مرغزاروں سے گذرتی ہوئی اس سمندر میں جاگرتی ہے جس کی کوئی حد نہیں، دوسری نہر گویا ایک جوش مارتی ہوئی طوفان خیز موج ہے، جو اچھلتی کودتی ہوئی آبادی سے دور کہساروں میں جاکر جنگی لطافت عالمِ بالا سے چشمک زنی کرتی ہوئی غائب ہو جاتی ہے"،

(دیوان شمس تبریز مقدمہ از ڈاکٹر نکلسن)

مثنوی میں اخلاقی عنصر زیادہ ہے، دیوان میں صوفیانہ خیالات کے اظہار میں دلی کامل

کا نقطۂ نظر یا نصب العین پیش نظر ہے،

(مکتوب ڈاکٹر نکلسن بنام جناب ڈاکٹر نظام الدین صاحب صدر شعبۂ فارسی جامعۂ عثمانیہ)

علامہ اقبال کی رائے، اس عہد کے مشہور اور معروف فلسفیوں اور شعراء میں ڈاکٹر اقبال مولینائے روم کے قدرشناس ہیں، یہ واقعہ ہے، کہ ان کی طبیعت اور ذوق کو مولینا سے بیحد مناسبت ہے، انہی کا قول ہے،

مرا بنگر کہ در ہندوستان دیگر نمی بینی ۔۔۔ برہمن زادۂ رمز آشنائے روم و تبریز است

ان کے پیام اور کلام میں رومی کا اثر نمایاں ہے، اپنے تازہ ترین شاہکار جاوید نامہ میں ڈاکٹر اقبال نے عالم معنی کی سیر و سیاحت میں مولینا ہی کو راہنما بنایا ہے، اور اپنی تصانیف میں انھوں نے مولینا کے مسلک اور شاعری کے متعلق مختلف پیرایوں میں اظہار رائے کیا ہے، ہم ان اشعار کو یہاں نقل کرتے ہیں، تاکہ مولینا کی شاعری کے متعلق ان کے نقطۂ نظر کا اندازہ ہو جائے،

مولینا کے کلام کی معنوی قدر و قیمت کے متعلق انکی رائے یہ ہے،

مرشد رومی حکیم پاک زاد ۔۔۔ سر مرگ و زندگی بر ما کشاد

معنی از حرف او همی روید ۔۔۔ صفت لالہ ہائے نعمانی،

نکتہ دان المنی را در ارم ۔۔۔ صحبتے افتاد با پیر عجم

شاعرے کو ہمچو آن عالی جناب ۔۔۔ نیست پیغمبر ولے دارد کتاب

بوعلی اندر غبار ناقہ ماند، ۔۔۔ دست رومی پردۂ محمل گرفت

راز معنی مرشد رومی کشود ۔۔۔ فکر من بر آستانش در سجود

اگرچہ زادۂ ہندم فروغ چشم من است ۔۔۔ ز خاک پاک بخارا و کابل و تبریز

بازبرخوانم زفیضِ پیرِ روم ، دفترِ سربستۂ اسرارِ علوم ،

جانِ او از شعلہ ہا سرمایہ دار ، من فروغِ یک نفس مثلِ شرار

پیرِ رومی خاک را اکسیر کرد ، از غبارم جلوہ ہا تعمیر کرد

موجم و در بحرِ او منزل کنم ، تا دُرِ تابندۂ حاصل کنم

من کہ مستیہا ز صہبایش کنم
زندگانی از نفسہایش کنم

خود خود بنمود پیرِ حق سرشت ، کو بحرفِ پہلوی قرآں نوشت

مولینا کے کلام کے حیات آفرین اثر کے متعلق ان کا بیان یہ ہے ،

مطرب غزلے بیتے از مرشدِ روم آور ، تا غوطہ زند جانم در آتشِ تبریزے

بیا کہ من زخمِ پیرِ روم آوردم ، مئے سخن کہ جوان تر ز بادۂ عنبی است

شرارے جستۂ گیر از درونم ، کہ من مانندِ رومی گرم خونم

شعلہ در گیر و زد برخس و خاشاکِ من ، مرشدِ رومی کہ گفت منزلِ ماکبریاست

جاوید نامہ ان کی جدید ترین تصنیف ہے ، عوالمِ علویہ کی سیر میں مولینا روم کو انھوں نے اپنا راہنما قرار دیا ہے ، اس کتاب میں مختلف جگہ پر حضرت رومی کی شخصیت اور ان کے پیام کے مختلف پہلوؤں پر نظرِ غائر ڈالی ہے ،

روحِ رومی پردہ ہا را بر درید ، از پسِ کُہ پارۂ آمد پدید ،

بر لبِ او سرِّ پنہانِ وجود ، بندہائے حرف و صوت از خود کشود ،

حرفِ او آئینۂ آویختہ ، علم با سوز درون آویختہ

اجمالی ریویو ، الحاصل مولینا کی شاعری متعدد خصوصیات خصوصاً معنوی قدر و قیمت کے نقطۂ نظر سے خاص حیثیت

رکھتی ہے، مولینا نے اپنی قوتِ فکر وشعر، زیان کاری کو سودمندی اور مذموم کو محمود بنانے میں نہیں صرف کی،

انکی شاعری کا مقصد بت پرستی یا بت گری نہیں، ان کا یہ منشا نہیں کہ لوگوں پر افسردگی اور خستگی طاری ہو، اور حسنِ صداقت سے انکا ربط ٹوٹ جائے، لوگ غلط اندیشہ وفکر میں مبتلا ہو کر ذوقِ عمل سے محروم ہو جائیں، ان کے کلام سے غفلت میں اضافہ نہیں ہوتا، بلکہ روحانی جمود دور ہوتا ہے، ان کی فریاد و نالہ سے "عشقِ مجبور" رسوا نہیں ہوتا، بلکہ "عشقِ غیور" کو سرخروئی حاصل ہوتی ہے، ان کے کلام کے مطالعہ سے یقین محکم اور عمل پیہم کا ذوق پیدا ہوتا ہے، ان کی شاعری افراد اور اقوام کی تعمیرِ خودی میں ممد و معاون ہے، ڈاکٹر اقبال نے اسرارِ خودی میں فکر و شعر کا جو معیار پیش کیا ہے، اس پر مولینا کی شاعری پوری اترتی ہے،

ہر شاعر کا کلام رطب و یابس کا مجموعہ ہوتا ہے، بقول ہیرسن (Harrison) کسی شاعر کی عظمت کا اندازہ کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اس کے کلام کے بہترین حصہ کی قدر و قیمت کا اندازہ کیا جائے، اس نقطۂ نظر سے مولینا دنیا کے مشہور ترین شعراء کی صفِ اول میں ہیں، انکے فکر وشعر کی عظمت زمان و مکان کی قیود سے بلند تر ہے، انکی شاعری پر یہ قول صادق آتا ہے،

اہلِ دل را سینۂ سینا دہد
با ہنرمندان یدِ بیضا دہد،

مولانا کا مسلک تصوّف یا فلسفہ حیات

(دیوان کی روشنی میں)

لا الہ اے جان رہ الا اللہ است
ماھم از لا تا بہ الا میسر و یم

مسلک[1] تصوف اسکی بنیاد اور حقیقت کے متعلق مختلف طبقات میں مختلف قسم کی غلط فہمیاں اور غلط بیانیاں امتداد زمانہ سے پیدا ہوئیں مستند اصحاب طریقت اور ارباب معرفت اس امر پر متفق ہیں، کہ تصوف اس سے زیادہ کچھ اور نہیں، کہ اپنے دین کو اللہ کے لئے خالص کیا جائے یعنی آپ کو ظاہر و باطن میں آیۂ کریمہ اخلصوا دینھم للہ کا مصداق بنایا جائے، خدا کی محبت میں محبوب خدا کی اتباع کیجائے تاکہ بارگاہ ربانی میں محبوب اور مقبول بندوں میں شمار ہو، قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ قربانی اور نماز، زندگی اور موت خدا ہی کے لئے ہو، از آدم تا بہ خاتم الانبیا سارے انبیاؑ کی زندگی کا نصب العین یہی رہا ہے (قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین،) مخلص تبعین اسی راہ پر چلتے رہے، اور چلتے ہیں، ہاں ایسا ہوا ہے کہ زمانہ کے اقتضاء اور ماحول کی ضرورت کے باعث تعلیمات اور اصول مختلف پیرایئے میں پیش کیئے گئے، مثلاً جب مسلمانوں میں فلسفہ کا زور ہوا، اور اس مذاق نے اہل علم وفن کو گرویدہ کر لیا، تو حضرت شیخ اکبرؒ نے عقائد و اعمال کو فلسفیانہ تفکر کے انداز میں پیش کیا

---

[1] نفس تصوّف کی حقیقت اور اس کا تاریخی انقلاب میرا اصل موضوع بحث نہیں، نہ یہ میری علمی تحقیق کے حدود میں ہے، میرا اصل موضوع بحث مولانا کے مسلک کے اصول ہیں، یہاں میں نے تمہید اً سرسری طور پر چند خیالات کا اظہار کیا ہے،

اور مختلف اصحاب نے اسکی پیروی کی فصوص الحکم سے حجۃ اللہ البالغہ تک اسی کی مختلف صورتیں ہیں، اور جب شاعری کا ذوق عام ہوا، تو بعض اہلِ عرفان نے پیغامِ حقیقت پہنچانے کے لئے شاعری کو اپنا ذریعہ بنایا، اس میں کوئی شک نہیں کہ اس سے مختلف پیچیدگیاں ضرور پیدا ہوئیں، لیکن حقیقت کبھی تبدل نہیں ہوئی، حقائق اور معارف اصول اور عقائد میں تبدیلی نہیں ہوئی، سنائی سے جامی تک یہی رنگ ہے شیخ سعدی نے باوجود اسکے کہ عشق حقیقی کا بیان پیرایۂ مجاز میں کیا ہے، فرماتے ہیں، ؎

مپندار سعدی کہ راہ صفا، توان رفت جز در پئے مصطفیٰ

جب مسلمانوں میں زوال کے آثار غالب ہوئے، تو بقول مولینا عبد الماجد ان کے دل و دماغ پر ایرانی تخیلات، یونانی توہمات اور ہندی مراسم کا اثر ہوا، انھوں نے ان چیزوں کو اپنے علم وعمل کا جزو لازم بنا لیا، غلط خیالات اور غلط کاری عام ہوئی، کثرت سے لوگ غلط فہمیوں کا شکار ہوئے، ایمان گرفتارِ رسوم ہوگیا، شیوہ ہائے کافری کو وسعتِ مشرب سے تعبیر کیا گیا، قوالی اور پشمینہ پوشی اہلِ کمال کے لوازم قرار دیئے گئے،

قومِ ما از سحرِ ایں مسموم گشت خفت واز ذوقِ عمل محروم گشت،

ابتدا میں امام غزالی اور آخر میں حضرت مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ صاحب نے تجدید و اصلاح کا صور بڑے زور سے پھونکا، قلب سلیم رکھنے والے تو چونک گئے، لیکن غلط فہمی اور غفلت کا بالکلیہ ازالہ نہ ہوا، اس دور میں مستشرقین نے غلط فہمیوں میں اور اضافہ کیا، ایک تو وہ خود ان حقائق سے کماحقہ واقف نہ تھے دوسری ہماری غلط نگاری اور غلط کاری نے انھیں بھی دھوکہ میں ڈالدیا، بعض نے بہت کچھ جاننے پہچاننے پڑھنے لکھنے کے بعد بھی غلط بیانی کی، انھوں نے کہا کہ دین اسلام تمامتر تقشف اور خوف کا مذہب ہے، تصوف سے جو مسلک محبت مراد ہے، اسکے عناصر دین اسلام میں نہیں ہیں، یہ عناصر اسلام میں عیسائیت سے داخل ہوئے ہیں، اسلام کا خدا توریت کا جبار و قہار خداوند تو ہوسکتا ہے لیکن

انجیل کا مہربان باپ وہ کبھی نہیں، یہی وہ مقام ہے، جہاں مستشرقین کے کمال علم اور تعصب کی حقیقت کھلتی ہے، تعصب نے انکی چشم بصیرت کو اندھا کر دیا ہے، غالباً وہ قرآن اور حدیث کو غلط بیانی کی نیت سے پڑھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ انھیں کوئی خاص حجاب اصل حقیقت پر نظر ڈالنے سے مانع ہوتا ہے، اور کتاب وسنت کے غالب حصہ کی تعلیمات پر انکی نظر ہی نہیں پڑتی، قرآن میں انھیں اسمار الٰہیہ میں سے قہار منتقم وغیرہ اسمار جلالیہ تو نظر آتے ہیں لیکن رؤف، رحیم، ودود اور غفور وغیرہ جیسے اسمار جمالیہ اور ان اعتبارات کی آیات نظر ہی نہیں آتیں، انکو قرآن میں یہ کہیں نہیں دکھائی دیتا کہ خدا سے شدت محبت ہی کا نام ایمان ہے۔ الذین آمنوا اشد حبا للہ۔ اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ دین اسلام اتباع رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا نام ہے، یہاں خدا کی محبت ہی شرط اتباع ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ بندہ محبوب خدا ہوتا ہے قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ، اس کے علاوہ قرآن مجید میں محبت کے یہ اعتبارات بے شمار مواقع پر بیان کئے گئے ہیں، کہیں ان اللہ یحب المحسنین ہے کہیں ان اللہ یحب الصابرین ہے، اسکے مقابل ان اللہ لا یحب الظالمین، وغیرہ بھی ہے اسلام میں اعمال خیر کی بنیاد بھی خدا کی محبت ہی ہے یطعمون الطعام علی حبہ مسکینا ویتیما و اسیرا، اکثر جدید تعلیمیافتہ حضرات پر جو نہ اپنے دین کے اسرار سے واقف ہیں، نہ غیروں کے دجل و مکر سے مستشرقین کا یہ جادو چل گیا ہے، اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ تصوف کو فی الحقیقت اسلام سے کوئی تعلق نہیں، نہ معلوم تصوف سے ان کی کیا مراد ہوتی ہے، درانحالیکہ اصل تصوف ہی اسلام کی خالص اور پاکیزہ ترین تعبیر ہے،

غلط فہمیوں کے ان ظلمات سے نکلنے اور صداقت سے مستفید ہونیکا واحد طریقہ یہی ہے کہ کتاب و سنت کا بنظر غایر مطالعہ کیا جائے۔ اسکے بعد سارے اکابر صوفیہ مثلاً شیخ ابونصر سراج، شیخ علی بن عثمان ہجویری، حضرت ابو القاسم قشیری، خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی وغیرہ خصوصاً بانیان سلاسل صوفیا مثلاً محبوب ربانی حضرت شیخ جیلانی بانی سلسلۂ عالیہ قادریہ، حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی بانی سلسلۂ عالیہ چشتیہ، حضرت شیخ شہاب الدین

بانی سلسلۂ عالیہ سہروردیہ اور شیخ بہاء الدین نقشبند کے تصانیف ملفوظات اور تعلیمات کا مطالعہ کیا جائے جس سے صاف معلوم ہو جائے گا، کہ تصوّف کی حقیقت کیا ہے، اصل تصوف کسے کہتے ہیں، مرد صوفی کون ہے، راہ صفا کے کیا شرائط ہیں، سب سے بڑھکر یہ کہ تصوّف اور کتاب وسنت میں کیا ربط ہے،

صوفیائے کرام اور اکابر اہل عرفان میں عارف رومی کو خاص اہمیت ہے انکا قول اس بارے میں مستند اور انکا بیان حجت ہے، اگر کوئی اس کا کامل اندازہ کرنا چاہے، کہ مولانا کے نزدیک تصوف کسے کہتے ہیں، اور صوفی کون ہے، اور مولینا کا مسلک کیا ہے، تو مثنوی معنوی اور فیہ مافیہ یعنی حضرت کے ملفوظات کا مطالعہ کرے، حقیقت حال سے کاملاً باخبر ہو جائے گا،

لیکن ان کی تصانیف میں ایک دیوان بھی ہے، بقول مولینا عبد الماجد دریابادی ہرچند دیوان کسی ایک وقت کی مسلسل تصنیف نہیں، سالہا سال کی متفرق غزلوں کا مجموعہ ہے، اس سے کسی ایک معین مسلک کا استنباط ممکن نہیں، کوئی غزل کسی حال کی شارح ہے اور کوئی کسی کیف کی، کیونکہ دیوان دور تلوین کی تصنیف ہے دور تمکین کی نہیں، غزلیات مولینا نے اسوقت لکھے ہیں جبکہ وہ صاحب حال تھے، صاحب مقام نہیں، دیوان میں زیادہ تر صوفیانہ جذبات اور متفرق احوال کی ترجمانی ہے تعلیم وارشاد اصول اور معارف مثنوی میں توضیح اور تصریح کیا تھا ہیں یہ تصنیف دور تمکین کی ہے، یہ مولینا نے اسوقت لکھی ہے جب وہ صاحب مقام ہو گئے اور سالک نہیں بلکہ راہبر ٹھہرے اور تبلیغ وہدایت پر مامور ہوئے،

لیکن پھر بھی دیوان اسی گلشن کا ایک پھول ہے اور اسی بہار کا رنگ ہے، اس لئے اختلاف حال کے باوجود ان میں وحدت کا ایک رشتہ ضرور ہے چنانچہ انکے مسلک پر اجمالاً دیوان سے بھی روشنی پڑتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ مثنوی اور ملفوظات سے اسکا اصولی اور معنوی اتحاد ہے، اسلئے یہ بیان مختصر ہوگا صفحات آئندہ میں ہمارا موضوع تحریر یہی ہے، اختصار کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہے کہ بعض مسائل جنکا مولینا کے مسلک اور فلسفۂ حیات سے گہرا تعلق ہے، باب سوم کے مہمات مضامین کے تحت زیر بحث آچکے ہیں، ذیل میں انکو ہم اشارۃً اور کنایتہً بیان کریں گے،

توحید، | دین کی اہم ترین نعمت توحید ہے، اسلام کا کمال بھی توحید ہی میں پوشیدہ ہے، لازماً ارباب صفاء اور مخلصین کا زیادہ تر زور اسی مسئلہ پر ہے، خالص عبدیت پیدا ہی نہیں ہوسکتی، جب تک کہ شرک کے ظاہری و باطنی سارے اعتبارات دور نہ ہو جائیں، اور بندہ بادۂ وحدت سے سرشار نہ ہو، اس لئے قرآن مجید میں سورۂ توحید کا نام سورۂ اخلاص رکھا گیا ہے، کیونکہ وہ بندہ کے اندر خالص توحید پیدا کرتا ہے، اور شرک کے امراض کا شافی علاج ہے، توحید ہی مسلکِ ابراہیم کا طرۂ امتیاز ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ میں بنی نوعِ انسان کو حکم ہے، کہ مسلک و ملتِ ابراہیم کی اتباع کریں،

مولینائے روم کے دیوان میں عناصرِ تصوف میں سے عنصرِ توحید پر سب سے زیادہ زور ہے، اور یہی ان کے مسلک کی روح ہے، توحید کے معنی صرف خدا کو ایک ماننے ہی کے نہیں ہیں، بلکہ ایک کے ہو رہنے، ایک کو محبوب مقصود اور مطلوب بنانے اور ایک ہی کی رضا پر چلنے کے ہیں، مولانا نے اس کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے، اور اس باب میں ان کا جوش کامل طور پر ظاہر ہوا ہے، ع،

وکیے گوے وکیے چوگاں وانہ ے ترس بس

ماسوا کے دام سے رہائی کے طالب ہیں،

خلاصم دہ خلاصم دہ خلاصم
کہ سخت افتادہ اہم در دامِ دیگر،

منزلِ مقصود حق ہے،

سوئے مغرب نہ رویم و طرفِ مشرق نے
تا ابد گام زناں جانبِ خورشیدِ ازل

خوانده ایم انا الیه راجعون، تا بدانی کہ کجا ہا می رویم،

توحید کا آخری مرتبہ توحید ذاتی ہے، مولانا ذکر بھی خاص طور پر اسم ذات کا کرتے تھے، معین الدین پروانہ نے سوال کیا کہ مختلف مشائخ مختلف اوراد و اذکار کے پابند ہیں حضرت کا طریق ذکر کیا ہے، فرمایا،

ذکر ما اللہ اللہ است ازآنکہ ما، از الہ (اسم ذات) می آئیم و باز بالہ میرویم (دیوان)

ع مازادہ ذاتیم سوے ذات رویم،

ع بررفتن ما وحید یاران صلوات،

"حق تعالی جمیع انبیاء و اولیاء را از اسم مخصوص تجلی فرمودہ است تجلی ما محمدیان از اسم اللہ کہ جامع است تجلی فرمودہ است، من قل ہو اللہ احد را وردہان می دارم"،

آخری جملہ میں روم کے اس صوفی اعظم نے تصوف اور کتاب وسنت کا جو ربط ظاہر کیا ہے، خاص طور پر غور و فکر کے قابل ہے، توحید کی جامعیت نسبت محمدی کے طفیل حاصل ہوئی جس کی تعلیم کا حامل سورۂ اخلاص ہے،

صاحب مناقب[2] نے مولینا کی ایک دعا نقل کی ہے، جو توحید کے تمام اعتبارات کی جامع ہے، توحید ذات اس میں غالب اور نمایاں ہے،

"اعذت لکل ہول لا الہ الا اللہ ولکل غم وھم ما شاء اللہ ولکل نعمۃ الحمد للہ ولکل رخاء الشکر للہ ولکل اعجوبۃ سبحان اللہ ولکل ذنب استغفر اللہ ولکل ضیق حسبی اللہ ولکل قضاء وقدر توکلت علی اللہ

---

[1] مناقب العارفین ص۱۴۹ مطبوعہ ستارہ پریس آگرہ کتب خانہ حیدرآباد دکن، [2] مناقب العارفین ص۱۰۱،

ولکل مُصیبة انا للہ وانا الیہ راجعون ولکل طاعة ومعصیة لاحول

ولا قوة الا باللہ العلی العظیم،

دیوان میں یہی نغمۂ توحید بطرز دیگر ہے، نفی و اثبات طریقِ سلوک ہے کلمۂ توحید میں لا سے نفی

باطل اور الا سے اثباتِ حق مقصود ہے، مولانا کی راہ یہی ہے،

لا الہ اے جان راہِ الا الداست ماہم از لا تا بہ الا می رویم،

توحید وجودی مسئلۂ وحدت الوجود

وجود و قیام ذاتی رب العزت ہی کو حاصل ہے، اسی قیوم کی قیومیت سے محسوسات وعوالم امکانیہ قائم اور موجود ہیں، ہوالحی القیوم اگر ادھر سے فیض وجود نہ ہو تو سب عدم ہی عدم ہے، ع

تو خود دانی کہ من بے تو عدم باشم عدم باشم،

وجود کے چار اعتبار ہیں، اولیت آخریت ظاہریت اور باطنیت، یہ چاروں اعتبارات ذاتِ حق ہی کے ساتھ مختص ہیں، مخلوق معلوم حق ہے، جو اپنی ماہیت میں غیر ذاتِ حق ہے، یہی معنی ہیں تشبیہ مع التنزیہ کے، سبحان اللہ وما انا من المشرکین،

ھو الاول والآخر والظاھر والباطن وھو بکل شیئ علیم،

ھو الاول ھو الآخر ھو الظاھر ھو الباطن،

بجز یا ہو و یا من ہو، کسے دیگر نمی دانم،

دوئی از خود بدر کردم یکے دیدم دو عالم را یکے جویم یکے دانم یکے بینم یکے خوانم

توحید انیت "لا الہ الا انا" کا انکشاف توحید کی نازک ترین اور اہم ترین منزل ہے، سرفرازی اور کامیابی کا یہی مقام ہے، یافت حق میں حجاب اکبر یہی ہے، خود شناسی کا محل اور اہمیت یہیں ظاہر ہوتی ہے فیہ ما فیہ[1] میں

[1] فیہ ما فیہ ملفوظات مولینا روم مطبع معارف اعظم گڈھ صـ ۲۱،

مولینا نے اسکی اہمیت پر بہت زور دیا ہے،

"آنچہ ہست وبا او نزدیک تر از ہمہ آنست کہ آن خودی اوست او خود رانمی داند ہمہ چیز ہارا بحل وحرمت حکم می کند کہ این جائز است وآن جائز نیست واین حلال است وآن حرام است خودرانمی داند کہ حلال است یاحرام است، اوجائز است یا ناجائز است، پاک است یا ناپاک است، این تجویف و زردی ونقش وتدویر بر وی عارضی است کہ چون در آتش اندازی این ہمہ نماند ذاتی شود صافی ازین ہمہ"

آگے چل کر اس سے زیادہ وضاحت فرماتے ہیں، اور توحید انیت کے حصول کی راہ بتاتے ہیں،

"پیش او دو "انا" نمی گنجد تو "انا" می گوئی واو "انا" یا تو بمیر پیش او، یا او بمیرد پیش تو تا دوئی نماند اما آنکہ او بمیرد امکان ندارد، نہ در خارج و نہ در ذہن، کہ ھو الحی الذی لا یموت اوراآن لطف ہست کہ اگر ممکن بودے برائے تو بمردے تا دوئی برخاستی اکنون چوں مردن او ممکن نیست تو بمیر تا او بر تو تجلی کند و دوئی برخیزد"[۱]

دیوان میں فرماتے ہیں،

غبارہاست درون تو از حجاب منی ز تو بروں نہ شود آن غبار یکبار
گر تو فرعون منی از مصر این بیروں کنی در درون خانہ بینی موسیٰ ہارون خویش

جب یہ منزلیں طے ہو جاتی ہیں تو عینیت وجودی وغیریت ذاتی کے اسرار بے پردہ ہو جاتے ہیں، اور انسان کی جامعیت معلوم ہوتی ہے اور وہ محسوس کرتا ہے،

ما زندہ بنور کبریائیم، بیگانہ او سخت آشنائیم،

توحید ارادت | توحید صفاتی میں فنائے ارادت درجۂ کمال ہے، یہ مرتبہ اس طرح حاصل ہے، کہ بندہ

[۱] فیہ مافیہ صـ۲۰،

اپنی رضا کو رضائے الٰہی میں فنا کر دے،

مراگر تو چنان داری چنینم — کہ باشم من چہ باشد مہر و کینم

اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خدا کو بندے کی رضا محبوب ہو جاتی ہے، ولسوف یعطیک ربک فترضی کا راز یہی ہے، راضیۃً مرضیۃ میں اسی مقام کا اشارہ ہے، رضی اللہ عنہ ورضوا عنہ سے مراد یہی توحید ارادی ہے،

چو در کشاکش احکام راضیت بنید — ندر نجها برہانند و مرتضات کنند،

جبتک سالک کو ایمان وعمل میں مرضی حق کی پیروی مقصود نہ ہو، اس کی نیکوئی اور نکوکاری مقبول و معتبر نہیں، اسکی سعی اور اسکا عمل خبط ہو جاتا ہے،

بجوئے نیک اگر با جہان بسازد کس — چوں خوئے حق نشناسد نہ نیکخوست بداست

حافظ نے کیا خوب فرمایا ہے،

از دل وجاں شرف صحبت جاناں غرض است — ہمہ اینست وگرنہ دل وجاں این ہمہ نیست

فیہ مافیہ میں اس اصول کے متعلق لکھا ہے،

ایشان می پندارند کہ عمل این ظاہر است اگر منافق آن صورت عمل بجائے آرد ہیچ اورا سود ندارد
چون درو معنی صدق وایمان نیست"، (فیہ مافیہ ص ۸۲)

یا ایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول ولا تبطلوا اعمالکم،

رہ گم نکنیم و پیئے ہر غول نہ پوئیم، — جز در عقب احمد مختار نہ گردیم،

(دیوان رومی)

اتباع رسالت، توحید ہی مسلک تصوف کا مطلوب اور مقصود ہے، لیکن توحید کی کنجی رسالت ہے، بادۂ حقیقت کے مشتاقوں کے لئے رسول ہی میخانۂ غیبی کا دروازہ کھولتے ہیں، معرفت الٰہی مشعل ا

رسول ہی کا علم اور عمل ہی علم حق رسول کو خدا سے ملتا ہے، اور رسول سے ساری مخلوق یہ فیض عظیم پاتی ہے مولینا ئے روم نے پیغام رسالت اور اتباع رسالت پر بیحد زور دیا ہے، مثنوی اور ملفوظات تو ان مسائل کی تصریح اور تشریح سے بھرے پڑے ہیں، دیوان میں بھی اس کا پورا حق ادا کیا ہے بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں، کہ صوفی کو رسول سے تعلق نہیں، صوفی کا مسلک الگ ہوتا ہے، انسے تو کفر و دین کی تمیز ہی نہیں پیغمبر حق و باطل اور کفر دین میں تمیز کرتے ہیں، وہ عارف روم کے ان اقوال کا بغور مطالعہ کریں تاکہ حقیقت روشن ہو جائے،

علم حق وحی انبیاء کرام اپنی طرف سے تعلیمات نہیں پیش کرتے، بلکہ خدا کی طرف سے جو کچھ ان پر وحی ہوتی ہے، اس علم حق کی تبلیغ کرتے ہیں،

وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحی،

"چون پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم مست شدے و بیخود گشتے سخن گفتے قال اللہ آخر از روے صورت زبان او میگفت اما او در میان نبود و گوینده در حقیقت حق بود، .... پس معلوم شد کہ او نمی گوید حق می گوید کہ وما ینطق عن الھویٰ[1]،

زیں سبب قل گفتۂ دریا بود، گرچہ نطق احمدی گویا بود،

اسلئے جو ایمان اور عمل میں رسول کا متبع نہ ہو، وہ کبھی مقصود کو نہیں پہونچ سکتا، جو خدا کا محبوب بننا چاہتا ہے اور اپنے آپ کو مقبول بارگاہ بنانا چاہتا ہے، اس پر اتباع رسالت فرض ہے، قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ صوفی وہ ہے جو کمال اخلاص و عرفان سے اتباع رسالت کی تکمیل کرے، سالک کو جو کچھ ملتا ہے، اسی طرح ملتا ہے، اور جو کچھ ملے گا، اسی راہ سے ملیگا، کیونکہ حضور خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم جملہ کمالات کے جامع ہیں، مولانا فرماتے ہیں،

---

[1] فیہ ما فیہ ص۴۲ و ۴۵، ۵۲ مناقب العارفین، ص۱۴۰

لطفِ خدائے جملہ کمالاتِ خلق را، یک چیز کرد و داد بدو نام مصطفیٰ

مناقب میں مولانا نے فرمایا کہ،

"من جمیع وارثِ محمدی ام"[۵۱]

مولینا ئے معنوی کے علم و عمل کی بنیاد سلطان اہلِ معنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع پر ہے،

"اہلِ معنی را متابعتِ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم از جملہ واجبات است"

مولینا کا فقر "فقر محمدی" ہے "فقر اشراقی نہیں" جسکو یہ دولت نصیب نہیں وہ احرار و ابرار کی جماعت ہی میں شامل نہیں ہوتا مولینا فرماتے ہیں،

"ہر کہ الذتِ فقر محمدی صلی اللہ علیہ وسلم روی نمود حقا کہ از لذتِ دو جہانی و اغراض فانی اعراض کردہ و فارغ شدہ و در مسلک احرار و ابرار منخرط گشتہ"[۵۲]

مولانا کا فقر و تصوف اشراقیین کی اشراقیت، ہندی جوگیون کا جوگ یا عیسائی راہبوں کی رہبانیت نہیں، کیونکہ وہ مردِ حق اور متبع رسول ہیں، ان کے مسلک میں رہبانیت نہیں، بلکہ لا رھبانیۃ فی الاسلام ہے،

مسلک کی جامعیت، مولینا کا ارشاد ہے کہ "دین و دنیا یکے نمی شود، مگر مردانِ حق را"[۵۳] فیہ ما فیہ میں بھی نشا ظاہر فرمایا ہے، اور یہی حدیث درج کی ہے، یہ مسلک نبوت کی خصوصیت ہے، کہ اس میں ظاہر و باطن کی جامعیت ہوتی ہے، اتباعِ نبوت کی وجہ سے مولینا میں بھی یہ جامعیت و حقیقت ہے اس پر انکی زندگی بھی شاہد ہے، اور ان کے ملفوظات بھی، فیہ ما فیہ میں ہے،

"اما مارا ہمارا دل بخدمت بود، اما می خواستیم کہ بصورت مشرف شویم، زیرا کہ صورت نیز اعتبار عظیم دارد، چہ جائے اعتبار خود، مشارکست با مغز ہمچنانکہ کار بے مغز نمی آید"

۵۱ مناقب العارفین صفحہ ۱۴۰، ۵۲ رر صہ ۲۳۶، ۵۳ رر صہ

بے پوست نیز ہم برنمی آید"؛

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض متصوفین جو اپنے آپ کو ظاہر کا پابند نہیں سمجھتے، اور صرف اسے کمال باطن خیال کرتے ہیں، کہ وہ کس درجہ سچائی پر ہیں، یہ محض افترا اور خلاف جامعیت ہے، مولینا کے قول سے ظاہر ہے کہ کبھی انسان ظاہر سے بے نیاز نہیں ہو سکتا، جیسے جیسے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے ظاہر باطن دونوں کے اعتبار سے مراتب اور مدارج بڑھتے ہیں، اور یہی نبوت کا رنگ ہے، اکبر مرحوم نے سچ کہا ہے،

شریعت ورِ محفلِ مصطفیٰ ۔۔۔ طریقت عروجِ دلِ مصطفیٰ،
شریعت میں ہے صورتِ فتح بدر ۔۔۔ طریقت میں ہے معنی شق صدر
شریعت میں ہے قیل و قالِ حبیب ۔۔۔ طریقت میں حسن و جمالِ حبیب،
نبوت کے اندر ہیں دونوں ہی رنگ ۔۔۔ عبث ہے یہ ملّا و صوفی کی جنگ،

اب دیکھئے کہ دیوان سے جو مسلک مستنبط ہوتا ہے، اسے کس حد تک ان اعتبارات سے ربط ہے،

فرماتے ہیں کہ فقر الی اللہ کا اقبال رحمۃ للعالمین ہی کے دم سے ہے ع:-

از رحمۃ للعالمین اقبال درویشان ہیں،

کیونکہ عاشقانِ الٰہی کے سردار محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں،

چون مصطفٰے است سرور سردار عاشقان ۔۔۔ جملہ مطیع او شدہ چہ شاہ و چہ گدا،

اسلئے حکم ہوتا ہے کہ اگر فقر اختیار کرنا ہو، تو راہ نسبت پیغمبر اختیار کرنی چاہئے، ع

فقر بگزین راہ روکان سنت پیغمبر است،

کفر کی سیاہی نور محمدی ہی سے دور ہوتی ہے،

جامہ سیاہ کرد کفر نور محمد رسید، طبل بقا کوفتند ملک مخلد رسید

رند پاکباز جب کبھی شرابِ حقیقت کا جام نوش فرماتے ہیں، تو وسیلہ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا سیتے ہیں،

پاکان راہ فقر ز خمخانہ الست جامے چو در کشند دم از مصطفےٰ زنند

رسالت کی پیروی ہی سے انسان صراط مستقیم پر رہتا ہے، دوسرے طریقے غولانِ راہ کی حیثیت رکھتے ہیں، جس سے سالک گمراہ ہوتا ہے،

رہ گم نہ کنیم و پے ہر غول نہ پوئیم جز در عقبِ احمد مختار نہ گردیم

کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے میخانہ غیبی کا دروازہ کھولا ہے، ع

بکشا و محمد درے خانۂ غیبی

مقصود اتباع نور محمدی ہی سے حاصل ہوتا ہے، ان کے آگے اپنے خیالات وخطرات کے اصنام توڑ دینے چاہئیں، ورنہ شرک فی الامر ہو جائے گا،

ما چند صنم پیش محمد بشکستیم، تا در صنم دلبر و دلخواہ رسیدیم

فلک پیما و شب بیدار باشم طریق احمد مختار از اختر بگیرم،

مولینا کے سلسلۂ طریقت کے قافلہ سالار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں،

بخت جوان یار ما دادن جان کار ما قافلہ سالار ما فخر جہان مصطفےٰ،

لاتموتن الا وانتم مسلمون کی فضیلت انہی اصحاب کو حاصل ہوئی، جو اخلاق مصطفوی کو اپنا شعار بناتے ہیں،

وان کہ اخلاق مصطفےٰ جویند، چوں ابو بکرؓ چوں عمرؓ میرند،

دامن محمدی سے اپنے آپ کو حضرت بلالؓ کی طرح وابستہ کرنا چاہیئے،

روائے احمد مختار بگیر اے عاشق ———— صلائے عشق شنو ہر دمے ز روحِ بلال

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار سے جہلِ حقیقت اور کفر پیدا ہوتا ہے،

گر جاحد ایزدم جہولم، ———— ور منکر احمدم جہودم،

ترقی اس نے کی جو بندۂ دین وکیش ہوا، کیونکہ تصوف عین منشائے شریعت کی حسن وکمال واخلاص کیساتھ تکمیل کا نام ہے،

اے خنک آنکہ بیش شد بندۂ دین وکیش شد ———— موسیِ وقتِ خویش شد جانب طور میرود

پیر کی رہنمائی، علم وعمل کی ہر شاخ میں رہنمائی کی ضرورت ہے، ورنہ حیات علمی کی تعمیر ممکن نہیں اسی طرح دین میں بھی ہادی ورہنما کی ضرورت ہے، دین کے ظاہر وباطن دونوں پہلو ہیں، اسلئے کمال ایمان اور صاحب صفا بننے کے لئے ایسے آدمی کی صحبت اور ہدایت کی ضرورت ہے جس کا ظاہر وباطن آراستہ ہو، ایسے ہی شخص کو مرشد یا پیر کہتے ہیں، ہر اس انسان پر جو اخلاص اور صفا کا کمال حاصل کرنا چاہتا ہے، ایسے رہنما کی تلاش لازم ہے، وابتغوا الیہ الوسیلۃ کونوا مع الصادقین، واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغداۃ والعشی یریدون وجہہ، (کہف)

سلوک الی اللہ کی اولین شرط یہی ہے کہ کوئی پیر حق پرست نصیب ہو، مولینا کا فرمان ہے،

آدمی بباید کہ آن تمیز خود را عاری از غرضہا کند، ویارے کہ جوید، در دین کہ دین یار شناسیست[۱]

مناقب[۲] میں مولانا کا قول درج ہے،

"بدانی کہ بے تربیت شیخ ہیچ تربیتے نیست وہر طاعت بے براست وبے نور" من لاشیخ لہ لادین لہ

ہیچ نہ کشد نفس را جز ظل پیر، ———— دامن آن نفس کش را سخت گیر،

[۱] فیہ مافیہ صلا، [۲] مناقب العارفین ص۱۵۶،

دیوان میں مولینا نے اس مسئلہ پر انہی خیالات کا اظہار کیا ہے،

بے دولت مخدومی شمس الحق تبریز — نے ماہ توان دیدن وے بحر توان شد

شمس الحق تبریزی صد گونہ کند دل را — گاہیش کند تیغش گاہیش سپر سازد

لیکن پیر کی صفت اور اس کا معیار یہ ہو کہ وہ ہم نفس مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہو، اور انوار مصطفوی سے اسکا دل منور ہو،

رسد بفیض تجلی شمس تبریزی — دلے کہ نور ز انوار مصطفےٰ دارد

شاہ شمس الدین بخش جان مفخر تبریزیان — آنکہ در اسرار عشق ہم نفس مصطفےٰ ست

در ہوائے شمس تبریزی ز ظلمت درگذر — ناگہاں سر برزنی در نور سبحان ہمچنیں

علمائے امت انبیا کے وارث ہوتے ہیں، بلکہ ان کی مثال انبیائے بنی اسرائیل کی سی ہے، اسلئے مولینا مرشد کو نبی وقت سے تعبیر فرماتے ہیں، حضرت شمس کے متعلق لکھا ہے،

بکشاد خزینہ ہمہ خلعت پوشید،
مصطفےٰ باز بیامد ہمہ ایمان آرید،

عشق پر مسلک کمال منحصر ہے۔ تقریر بالا سے یہ ظاہر ہے کہ مولینا کا تصوف ان کا فلسفۂ حیات اور انکا مسلک یہی ہے، کہ توحید کے مراتب بکمال حاصل کئے جائیں، اور حصول مقصد کی راہ یہی ہے کہ علماً اور عملاً رسول کی پوری پوری اتباع کیجائے، اپنے دین کو خدا کے لئے خالص کیا جائے، اپنے اندر کمال اخلاص اور تسلیم پیدا ہو، نماز و عبادت میں جس طرح اپنا رخ قبلہ کی طرف ہوتا ہے، اسی طرح قلب بھی ہر وقت حق تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے،

ان کمالات کے حصول کے لئے ضروری ہو کہ ایک ایسے شخص کی ارادت اور صحبت اختیار کیجائے جو ان مراتب ایمانی کو حاصل کر چکا ہو، اور وہ انوار نبوت سے مستنیر ہو، لیکن مولینا کی نظر میں اصولاً

سلوک کی کوئی منزل بغیر درد و طلب، عشق و محبت، تڑپ اور بے چینی کے طے نہیں ہو سکتی، جبتک دل میں محبت کا بیج نہ ہو، ایمان کا درخت پھل نہیں لا سکتا، اخلاص و رضا کا سمندر کشتی عشق ہی کے ذریعہ پار کیا جاتا ہے، فیہ مافیہ میں ارشاد ہوتا ہے،

"درد یست کہ آدمی را رہبر است، در ہر کارے کہ ہست تا اورا درد آن کار، ہوس و عشق آن کار در درون نخیزد، او قصد آں کار نکند و آن کار بے درد اورا میسر نشود خواہ دنیا و خواہ آخرت خواہ بازرگانی خواہ پادشاہی خواہ علم خواہ عمل'

دیوان میں بھی مولانا نے عشق کا یہی مقام قرار دیا ہے، اور اسکی ایسی ہی اہمیت بیان کی ہے، فرماتے ہیں کہ عشق ہی باعث کائنات اور مقصود تخلیق ہے، ع

نخست از عشق او زادم باخر دل بدو دادم

عشق سے مقصود عبدیت اور بندگی ہے،

ہر کہ اندر عشق یابد زندگی، کفر باشد پیش او جز بندگی،

عشق کی اہمیت،

جہان درخت عمل برگ و میوۂ او عشق چو برگ و میوہ نہ باشد شجر چہ سود کند
عشق معراج است سوی بام سلطان ازل از رخ عاشق فرو خوان قصۂ معراج را

زندگی کی آخری سانس بھی اسی عشق کے پیدا کرنے میں صرف ہونی چاہیے، ع

ترا اگر نفسے ماند غیر عشق مجوئے،

عشق ہی کا اندیشہ جہاد اکبر ہے، کیونکہ اس کی کشمکش اندیشۂ باطن کے ساتھ ہے، اس کا مقابلہ نفس کے ساتھ ہے، کیونکہ محبوب حقیقی کی محبت کو ماسوا کی محبت پر غالب کرنا پڑتا ہے اور ہر فعل کو مرضی حق کے تابع کرنا پڑتا ہے، اسے نور الہی سے دیکھنا پڑتا ہے،

"چوں تمام اورا ایمان حقیقی باشد، او ہمہ فعل کند کہ حق خواہد" (فیہ ما فیہ ص۱۳۶)

رجعنا من الجہاد الاصغر الی الجہاد الاکبر یعنی با نفس مصاف کردن جہاد اکبر است،

(فیہ ما فیہ ص۶۴)

نتیجہ اور استقامت، یہ راہ بڑی کٹھن ہے، اس کوچہ میں صرف پائے ثبات ہی کو اذن سیر ہے، اور وہی آستانہ جاناں تک پہنچ سکتا ہے، جو صاحبِ استقامت ہے، اسی راہ کے اختیار کرنے سے انسان اپنے شرف و عظمت کے اصلی مقام پر پہنچتا ہے، اسی طریق میں اس کا نشانہ خدا پر ہوتا ہے خلافتِ الٰہیہ کی منزل تک اسے رہنمائی ہوتی ہے، اور جب اس نے اپنے آئینہ کو غیریت کے گرد و غبار سے صاف کیا ہے، تو ہمیشہ جمالِ الٰہی اس میں منعکس ہوتا ہے، (دیوان کے اشعار فیہ ما فیہ سے ملفوظات کی مطابقت کیساتھ درج کئے جاتے ہیں،)

"وجود آدمی اصطرلاب حق است، چوں اورا حق تعالیٰ بخود عالم و دانا و آشنا کردہ باشد ان اصطرلاب وجود حق خود تجلی حق را و جمال بیچون را دمبدم و لمحہ بلمحہ می بیند و ہرگز آن جمال ازین آئینہ خالی نباشد" (فیہ ما فیہ ص۱۳)

مومن کمال ایمان کے باعث آئینۂ مومن (اسم اللہ) بنجاتا ہے، مولینا کے متعلق افلاکی کا قول ہے، کہ

"در معنی المومن، مرأت المومن لطائف می فرمود گفت اللہ را یک نام مومن است دبندہ را ہم مومن المومن مرآۃ المؤمن یعنی تجلی فہماد بندہ یعنی در بندہ و مومن اللہ مومن تجلی میکند تو اگر رویت اللہ میخواہی، در آن مرات درانا ببینی آنچہ بینی،

آہن من صیقل عشقش چو یافت ۔۔۔ آئینہ کون رفت از وے آہنی

(مناقب العارفین ص۳۰۹)

نہ ز بویم نہ ز رنگم نہ ز جسمم نہ ز جانم — حذر از تیر خدنگم کہ خدائیست کمانم

حق تعالیٰ انفس مومن کا خریدار ہوتا ہے، اس کی قیمت ذات اور صفات کے سارے فیوض ہیں، جسے جنّت کہتے ہیں، جو ان برکات کے ظہور کا محل اور مقام رضا ہے" حق تعالیٰ ترا قیمت عظیم کردہ است، ومی فرماید کہ ان اللہ اشتریٰ من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ،

تو بہ قیمت برابر جانی، — چہ کنم قدر خود نمی دانی،

(فیہ ما فیہ ص۳۱)

نتیجہ سلوک بقا باللہ،

عاشق "ترک نفی خودی" کر چکا ہے، اب انائے مطلق کی طرف سے اثباتِ دوام حاصل ہوگا، اسی کو بقا باللہ کہتے ہیں، یہی حاصلِ فنا ہے،

خیال ترک من ہر شب صفات ذاتِ من گردد — مرا نفی من درُوے ہمہ اثباتِ من گردد،

یہی حیات بعد الممات کا احسن ترین مرتبہ ہے، عارف عاشق اسی لئے موت سے بے خوف ہوتا ہے، کہ موت اس کے لئے راہ وصال اور رفع حجاب ہے، مولینا نے اس اصول اور اسی خیال کو ایک غزل میں تشریحاً بیان فرمایا ہے،

بروز مرگ چو تابوت من روان باشد — گمان مبر کہ مرا میل این جہان باشد

جنازہ ام تو چو بینی مگو فراق فراق — مرا وصال و ملاقات آنزمان باشد

فرو شدن چو بہ بینی بر آمدن بنگر — غروب شمس و قمر را چرا زیاں باشد

کدام دلو فرو شد کہ ز آب در نیاید

ز چاہ یوسف جان را چرا زیاں باشد

الحمد للہ کفی والسلام علی من اتبع الھدیٰ،

طابع محمد اویس وارثی،